دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

ماہنامہ

الحق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

مغربی پاکستان

له دعوة الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر دار العلوم : ۴ — فون نمبر رہائش : ۲

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۷ — شوال : ۱۳۹۱ھ

شمارہ : ۳ — دسمبر : ۱۹۷۱ء

★

مدیر ——— سمیع الحق

اس شمارے میں

نقشِ آغاز	سمیع الحق	۲
علم دین کے تقاضے	شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ	۴
مقامِ رسولِ کریم	مولانا عبدالشکور ترمذی	۱۴
جدید استعمار	جناب مضطر عباسی ایم۔ اے	۲۴
ایک عالمِ دین کی وفات (مولانا محمد نذیر حکیسیری)	ادارہ	۳۸
آہ! مولانا غلام رسول مہر	اختر راہی ایم۔ اے	۳۹
قادیانیت	پروفیسر شاہد تسنیم ایم اے	۴۳
ایک دل جلے کی آہ سحری	حضرت مولانا اطہر علی صاحب مشرقی پاکستان	۴۷
ایران پر پاکستان کے اسلامی اثرات	مولانا رحیم بخش وصواری سراوان ایران	۴۸
امام مالک اور ان کی موطا	جناب نور محمد غفاری ایم اے	۵۱
ہماری دینی بے حسی۔ (ایک مکتوب)	حضرۃ مولانا عبدالہادی دین پوری مدظلہ	۵۷
تبصرۂ کتب	اختر راہی ایم اے / سمیع الحق	۶۰

ناشر: سمیع الحق استاد دار العلوم حقانیہ ——— مقام اشاعت : دفتر الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

طابع : منظور عام پریس پشاور ——— پرنٹر: محمد شریف ——— کتابت : اصغر حسن

مغربی اور مشرقی پاکستان سے سالانہ ۸/ روپے — فی پرچہ ۷۵ پیسے — غیر ممالک بحری ڈاک ایک پونڈ، ہوائی ڈاک ۲ پونڈ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

لا تھنوا و لا تحزنوا و انتم الاعلون ان کنتم مومنین

محبوب اور مقدس وطن پاکستان، تاریخ کی نازک ترین آزمائش سے دوچار ہے، ہر لمحہ تیزی سے بدلتی ہوئی صورتحال قوائے غور و فکر کو کسی ایک نکتہ پر ٹھہرنے نہیں دیتی اور قلم بصد شرمندگی اپنے قارئین سے اعتراف عجز پر مجبور ہے۔ لکھا جائے تو کیا اور کہنے کو کیا رہ گیا ہے۔ چوبیس سال سے لکھنے والوں نے کیا نہیں لکھا اور کہنے والوں نے کونسی کسر اٹھائی۔؟ علم و حکمت کی بہتات رہی وعظ و نصیحت کی فراوانی رہی۔ ایک سے ایک بڑھ کر مقام عبرت نمودار ہوتا گیا۔ اسباب و محرکات کی نشاندہی بھی ہوتی رہی اور نتائج و عواقب پر بھی برابر تنبیہہ قدرت کی سنت ابدی رہی اور آیاتِ ربانی نے کب مسلمانوں کو خواب غفلت میں مخمور رہنے دیا۔ سنریھم آیاتنا فی الآفاق و فی انفسھم۔

اب وقت باتوں کا نہیں عمل کا ہے اور عمل بھی کونسا؟ جہاد۔ الجہاد۔ الجہاد۔ کہ مومن کی بقا عمل سے ہے، مومن کا حصار جہاد، مومن کی سلاح قتال ہے۔ اور یہ صرف جارحیت کی صورت میں نہیں بلکہ جب تک کفر کی ایک بھی نشانی قائم ہے۔ وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین کلمۃ للہ۔ مومن گفتار و کردار سے قول و عمل سے ظاہر و باطن سے ہر لمحہ اور ہر لحظہ ایک غازی اور مجاہد بن کر نمودار ہوتا ہے۔ یہ جہاد نفس سے ہے، خواہشات سے ہے، معاشرہ سے ہے، ارد گرد کی برائیوں سے ہے اور بالآخر دنیا بھر کی طاغوتی طاقتوں سے ہے۔

اب ہم پر جہاد پیہم اور جہد مسلسل کی گھڑی آچکی ہے، قدرت نے ہمیں جھنجھوڑ دیا ہے اب ہم اٹھ کھڑے ہوئے تو ہمارا اشعار ہمارا نعرہ ہماری لگن اور ہمارا فیصلہ ایک ہی ہونا چاہیئے کہ فتح مکمل فتح، دشمن کی شکست مکمل شکست۔ حق کی سربلندی اور باطل کی سرکوبی یا پھر موت، ہر فرد کی موت۔ گیارہ کروڑ پاکستانیوں کی موت۔ یعنی شہادت کی موت، ایک حیات جاودانی جس پر کروڑوں سال کی زندگی نثار ہو۔ بلاشبہ ہمیں ایک عیار اور بدترین ذلیل دشمن ہندو سے واسطہ پڑا

ہے۔ جس کی پشت پر مکار اور فریبی سوشل سامراج روس بھی ہے۔ یہودی صیہونیت بھی اس کی سازشوں میں شریک ہے۔ اور عالمِ اسلام کا ازلی دشمن برطانوی استعمار بھی نہایت بے حیائی سے اسے سہارا دے رہا ہے۔ مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اگر ہم مؤمن کہلانے والے واقعی مؤمن بن جائیں تو پھر فتح و کامرانی کا اٹل وعدہ ہمارے لئے ہے۔ اور مکین گنبدِ خضرا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہِ شفقت ہمارے ہی اوپر ہے۔

پھر غم اور مایوسی کیوں۔؟ سارے سہارے کٹ جائیں تو اضطراب و پریشانی کے ایسے ہی عالم میں مؤمن کی جبینِ نیاز اس ربِ کریم کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاتی ہے۔ جس نے ہمیں محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی سے نوازا ہمیں پاکستان جیسی مقدس نعمت سے مالا مال کیا۔ اے خدائے کریم ہم خطاکار اور ہر سرزنش کے سزاوار ہیں مگر تیرے محبوب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں۔ اس برگزیدہ نسبت کی لاج رکھئے اور ہمیں اقوامِ عالم میں سرخروئی عطا فرما۔ ہمیں بزدل اور کمینہ صفت مشرکین کے ہاتھوں ہزیمت کی ذلت سے بچا۔ ہم نے تیری نعمتِ آزادی کی بے دردی سے بے قدری کی لیکن آج اس کی حفاظت کے لئے سب کچھ لٹا کر اور سر سے کفن باندھ کر نکلے ہوئے ان غیور اور جسور مجاہدین کے صدقے سے رحمت کے طلبگار ہیں۔ جو اپنے مقدس خون سے خالد و طارق اور محمد و محمود (رضوان اللہ علیہم) کے لکھے ہوئے ابواب کو تازہ کر رہے ہیں۔

ہم مایوس نہیں ہیں کہ تیری رحمت سے مایوسی کفر ہے۔ تیری یہ نوید فتح اور وعدۂ نصرت ہمیں ہر دم حیات نو بخش رہی ہے کہ وکان حقاً علینا نصر المومنین۔ ہماری پونجی تیری ذات اور تیری نصرت ہے اور جب یہ دولت ساتھ ہو جائے تو مومن ایک بالشت زمین پر بھی قدم جما کر چاروں طرف پھیلی ہوئی دنیا کے کفر و شیطنت کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا ہے۔ یہ ہماری تاریخ اور ہماری ریت ہے۔ آج ہم پھر اس روایت کو روشن کر کے رہیں گے۔ انشاء اللہ

مومنو! ذرا سنبھلو، وہ دیکھو آواز آرہی ہے: لاتھنوا ولاتحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین ــــــ

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

۱۲ دسمبر ۱۹۷۱ء

ضبط و ترتیب : ادارہ الحق

علمِ دین کے تقاضے اور ذمہ داریاں

شوال المکرم مدارس عربیہ کے تعلیمی سال کے آغاز کا مہینہ ہوتا ہے اس مناسبت سے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی ایک تقریر جو آپ نے دارالعلوم حقانیہ کے تعلیمی سال کی افتتاحی تقریب ۲۲ شوال ۱۳۸۴ھ کو طلبہ دارالعلوم سے ارشاد فرمائی تھی پیش خدمت ہے۔ "ادارہ"

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ محترم بھائیو! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ جل مجدہ نے ہم پر ایک بہت بڑا فضل کیا ہے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات لاتعد ولاتحصی ہیں سب سے بڑی نعمت جو خداوند تعالیٰ نے ہم پر کی ہے، وہ نعمت ہے حصول علم وتعلیم کی۔ آپ کو معلوم ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے سب سے پہلے جو وحی ارشاد فرمائی ہے وہ یہ ہے؛

اقرأ باسم ربك الذى خلق	پڑھو اپنے رب کے نام سے جو سب کا
خلق الانسان من علق اقرأ	بنانے والا ہے۔ بنایا آدمی کو جمے ہوئے
وربك الاكرم الذى علم بالقلم	لہو سے۔ پڑھو اور تیرا رب بڑا کریم ہے
علم الانسان مالم يعلم۔	جس نے علم سکھایا قلم سے۔ سکھلایا آدمی کو جو

وہ نہ جانتا تھا۔ (ترجمہ شیخ الہند)

اللہ تعالیٰ کا پہلا حکم یہ ہے کہ اے پیغمبر تو قرأت کر اس سے معلوم ہوا کہ علم کی نعمت مہتم بالشان نعمت ہے۔ وحی متلو کا پہلا جملہ اور کلمہ اقرأ ہے۔ شریعت کے بہت سے احکام مہتم بالشان ہیں۔ جیسے توحید کا مسئلہ جو سب سے اہم ہے۔ یا نبوت ورسالت کا مسئلہ اسی طرح عبادت واطاعت خداوندی تیسرے درجے میں، اچھے اخلاق چوتھے درجے میں حقوق انسانی کی ادائیگی۔ اسی طرح ہزارہا احکامات ہیں

جنکی اہمیت بجائے خود ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا پہلا حکم اور پہلی وحی اقرأ ہے۔ یعنی پڑھ اے پیغمبر قرأت کا حکم دیا۔ جس کا معنی ہے پڑھنا۔ پہلا حکم تعلیم و تعلم کا دیا۔ اور یہ قاعدہ آپ کو معلوم ہے کہ حکم کا تعلق جب کسی وصف سے ہو جائے تو وصف منشار اور علت ہوتا ہے۔ اس حکم کے لئے۔ گویا قرأت سے جو مایوسی حضورؐ کو حاصل تھی اور حضورؐ نے کہا ما انا بقاری۔ کہ میں پڑھا ہوا نہیں تو اس مایوسی کا ازالہ پروردگار جل شانہٗ نے اقراء باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق اقراء و ربک الاکرم سے کیا کہ وہ رب جو نیست سے ہست کرنے والا ہے جس نے انسان کو منجمد خون سے احسن تقویم پر پہنچایا ہے، وہ غیر قاری کو قاری بلکہ سید القراء بنا سکتا ہے اس کی شان اکرمیت پر نظر کرتے ہوئے قرأۃ فرمائیں تو انسان کی تخلیق کا منشار شان ربوبیت اور قراءۃ کا منشار شان اکرمیت ہوا۔

اور لطف یہ کہ ربک الکریم نہیں فرمایا بلکہ ربک الاکرم فرمایا۔ تو گویا شان ربوبیت کا تقاضا تخلیق ہے اور شان اکرمیت کا تقاضا تعلیم ہے۔ علم دینے کا منشار وہ شان ربوبیت ہے جو اکرمیت سے موصوف ہے۔ پس اکرم جو انعام دیتا ہے وہ شان اکرمیت کے مطابق ہوگا۔ اور وہ انعام یہاں علم ہے تو معلوم ہوا کہ علم کی نعمت ایک مہتم بالشان نعمت ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو خلعت نیابت اور خلافت ارضی کا منصب دیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا خلیفہ بنایا۔ تو قرآن مجید نے اس کی وجہ بیان کی ہے کہ یہی فضیلت علمی تھی کہ جس کی وجہ سے فرشتوں پر اسے فضیلت دی گئی اور فرشتوں سے کہا گیا:

اسجدوا لآدم۔　　　سجدہ کرو آدم علیہ السلام کی طرف

اب اس کی تاویل جو بھی آپ کریں مسجود لہ ذات خداوندی تھا۔ مگر مسجود الیہ یعنی قبلہ اور رخ سجدہ تو ذات آدم ہی ہوا۔ فرشتوں نے عرض کیا:

اتجعل فیہا من یفسد فیہا　　　یارب آپ زمین میں ایسی مخلوق پیدا کرتے
ویسفک الدماء۔　　　ہیں جو شر و فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انی اعلم ما لا تعلمون۔　　　میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

اور امتحان کا ایک موقعہ اس کے بعد مقرر فرمایا۔ فرشتوں سے اشیاء کی خاصیات اور نام پوچھے اور حضرت آدم سے بھی۔ فرشتوں نے اپنی عجز و کم علمی کا اعتراف کیا۔

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا　　　پاک ہے تو ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا تو نے ہم کو سکھایا
انک انت العلیم الحکیم۔　　　بیشک تو ہی ہے اصل جاننے والا حکمت والا۔ (ترجمہ شیخ الہند)

اہلِ علم کی قدر و منزلت | بھائیو! اس وقت ہم کو یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ اہلِ دنیا کی نظروں میں اہلِ علم کی کیا وقعت ہے۔ یا وہ ہمیں حقارت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ بلکہ اس کو دیکھنا ہے کہ اللہ و رسول کے نظر میں اہلِ علم کا کیا رتبہ و مقام ہے۔ گو ہمارا طبقہ عوام کی نظروں میں حقیر ہو جائے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس زمرہ پر انعامات کی بارشیں ہوتی ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میری عمر پندرہ سولہ برس کی تھی۔ اپنے والد مکرم کے ساتھ حج کرنے گیا غالباً منیٰ کے میدان میں دیکھا کہ بہت سے لوگ ایک معمر شخص کے اردگرد حلقہ بنائے بیٹھے ہیں۔ میں نے باپ سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے۔ اس نے کہا کہ یہ عبداللہ بن جزء رسول اللہ کے صحابیؓ ہیں اور حضورؐ کی احادیث سناتے ہیں، مجھے بھی ان سے حدیث سننے کی خواہش ہوئی والد صاحب مجھے ساتھ لے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو عبداللہ بن یہ حدیث بیان کر رہے تھے۔ کہ جو شخص خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر تفقہ فی الدین حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کو فکرِ رزق سے مستغنی کر دیتا ہے یہ پہلی حدیث تھی جو حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنی۔ جو حرف بحرف صادق ہے۔

علم کی ظاہری برکات | اس دورِ فتن میں جب آپ لوگ احاطۂ دارالعلوم سے باہر نکلیں تو معلوم ہوگا کہ لوگ اگرچہ تمہیں بری نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اور تم کو زائد و بے کار سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ کسی کام کے نہیں۔ لیکن الحمد للہ ہم سب کو اللہ تعالیٰ علم کے صحیح طلب گار بنائے اور فقہائے دین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ ہم جو صرف رسمی اور ظاہری تفقہ فی الدین کی راہ پر جا رہے ہیں۔ اس کی بھی اتنی برکت ہے کہ یہ طبقہ سب سے زیادہ فارغ البال ہے جسے روزی کمانے کے لئے نہ ہل جوتنے کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ نہ کھیتی باڑی نہ مزدوری اور نہ بار برداری کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں، بلکہ پوری بے فکری اور راحت سے تمہیں پکا پکایا رزق ملتا ہے۔ باقی لوگ ایک ایک نوالہ اور ایک وقت پیٹ بھرنے کے لئے شب و روز محنتوں اور مزدوریوں میں سرگرداں رہتے ہیں۔ مگر یہ ہمارا زمرہ سالکین اس دورِ زوال میں بھی جبکہ لوگوں کی نظروں میں کانٹوں کی طرح چبھتے ہیں۔ سب سے زیادہ فارغ البال اور مطمئن ہے۔ یہ اسی حدیث کی صداقت ہے۔ جو امام ابوحنیفہؒ نے سنی اور بیان فرمائی علماء کے اس زمرہ میں شامل ہونا اور تعلیم و تعلم کی توفیق اللہ کی طرف سے بڑی نعمت ہے۔ تخلیق اور پیدائش کی نعمت تو مشترکہ نعمت ہے۔ جو نباتات، حیوانات، جمادات، فلکیات اور دیگر عناصر اور سب مخلوق میں پائی جاتی ہے۔ مگر انسان کا مابہ الامتیاز علم الانسان مالم یعلم ہے۔ ہم سب موجودات ہیں، موجد خداوند تعالیٰ ہے۔ وجود اثرِ ربوبیت ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔ وجود اسی شانِ ربوبیت کا مظہر ہے۔ جو مشترک

ہے مگر علم امتیازی چیز ہے۔ جو شانِ اکرمیت کا مظاہرہ ہے۔ اسی کی بدولت ہمارے جد امجدؑ کو خلافتِ ارضی کی نعمت ملی۔ یہی وہ نعمت ہے کہ طالوت کے متعلق جب قوم نے اعتراض کیا کہ یہ مفلس ہے۔ حکومت چلانے کے لائق نہیں، تو جواب ملا کہ حکومت کے لائق تو صرف یہی ہے اور وجہ بتلائی وزادہ لبسطۃ فی العلم والجسم۔ کہ مدارِ حکومت علم ہے نہ کہ مال و دولت۔ علم کو اوّل ذکر کیا کہ حکومت کا منشار علم ہے۔ جسم یعنی فوجی طاقت کو بعد میں ذکر فرمایا۔ نیابتِ خداوندی کا منشار بھی علم ہے۔ جس کے لئے ہم اور آپ نے خود کو دارالعلوم کے اس احاطہ میں مقید کر دیا ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور کرم ہے ہمارا کمال نہیں۔ بعض دیہاتی اور گنوار لوگ جو اپنے اسلام لانے کو حضورؐ پر جتلایا کرتے تھے ان کے بارے میں حضورؐ کو ارشاد ہوا :

یمنون علیک ان اسلموا قل	آپ ان دیہاتیوں کو کہہ دیجئے کہ آپ اسلام
لا تمنوا علی اسلامکم بل اللہ	لانے کو ہم پر نہ جتلائیں کہ اللہ کا تمہارے
یمن علیکم ان ھدٰکم للایمان	اوپر احسان ہے کہ اس نے تم کو اسلام کی
(پ ۲۶)	توفیق دی۔

پاکستان کے دس کروڑ مسلمان یا روئے زمین کے اسی کروڑ سے زائد مسلمانوں میں سے کسی کو اس کام کے لئے منتخب کرنا اسی کی عنایت اور مہربانی ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہر وقت سر بسجود رہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے والدین اور رشتہ داروں کے دلوں میں یہ بات ڈالدی کہ ہم کو زمینداری صنعت و حرفت تجارت و مزدوری اور اپنی خدمت کی بجائے علم میں لگا دیا۔ قال اللہ اور قال الرسول سیکھنے کے لئے بھیجا اور قرآن اور حدیث کے سامنے ہمارے زانوئے تہ کرائے۔

میں آپ کو کیا عرض کروں، حرص اور لالچ کا تو علاج نہیں ورنہ علم کی وجہ سے ہمیں دنیا کی آسودگی بھی حاصل ہے۔ ہمارے کپڑے عوام سے اچھے ہیں۔ ہمیں پانچوں وقتہ صفائی کا موقعہ ملتا ہے جو اوروں کو نصیب نہیں ہمیں اوروں سے زیادہ آرام و راحت میسر ہے کسی کا ایک مہمان بھی اگر دوسرے دن رہے تو سگا بھائی کیوں نہ ہو اس کی خدمت سے تنگ ہو جاتا ہے۔ مگر ہم ہر وقت، اللہ اور اس کے رسول کے مہمان ہیں اور اس نے اپنے بندوں میں علماء و طلباء کی خدمت کے لئے ایسے لوگ پیدا کئے جو تمہاری خدمت اپنے اوپر انعام خداوندی سمجھتے ہیں۔ تمہاری ضروریات پورا کرتے ہیں۔ وہ اپنے بچوں سے تمہیں زیادہ محبت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ یہ برکت ہے علم کی۔

علم کیلئے اذعان و یقین ضروری ہے | بہر تقدیر اب اتنا عرض کروں کہ اس نعمتِ خداوندی کا شکر

ادا کرنا اور قدر کرنا ضروری ہے۔ علم کے لئے اس کی ضرورت ہے۔ کہ جو چیز ہم کتابوں اور اساتذہ سے سیکھیں اس پر ہمارا اذعان ویقین ہو۔ ایک تو صرف رسم ہے کہ بعض لوگ علم سیکھتے ہیں۔ یا باپ دادا عالم تھے تو اس لئے میں بھی علم حاصل کروں اور ایک طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ پڑھا جائے اس پر دل مطمئن ہو اور یقین واذعان ہو کہ یہ درست ہے۔

بھائیو! علم کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ قلب وروح اور رگ وریشہ میں رچ بس جائے اور یہ کہ اس میں جس ثواب وعقاب کا ذکر ہے اور جو وعد وعید ہے وہ یقیناً مرتب ہونے والا ہے۔ اور اگر یہ حالت نہ ہو تو علم فائدہ نہ دے گا۔

طالب علم کی تین قسمیں حضورؐ فرماتے ہیں کہ وحی کی مثال بارش کی طرح ہے کہ اس سے دل اور بارش سے زمین زندہ ہوتی ہے۔ زمین تین قسم کی ہوتی ہے۔ ایک وہ زمین جس نے اپنے اندر پانی جذب کیا۔ چند دن کے بعد سبزہ اور پھول ترکاری قسم قسم کے باغات اگائے۔ زمین سرسبز وشاداب بن گئی جیسے ہمارے علاقہ کی سنگلاخ زمین کہ گویا وادئ غیر ذی زرع ہے، پچھلے دنوں اللہ تعالیٰ کے فضل سے بارش ہوئی زمین نے پانی جذب کیا۔ اب ہر طرف سبزہ اور بہار ہے۔

دوسری قسم وہ زمین ہے جس نے پانی کو جذب نہ کیا۔ مگر پانی کو محفوظ کیا۔ نیچے کی تہ سخت ہے۔ پانی جذب نہیں کرتی۔ اور چونکہ وہ زمین پست ہے اور گڑھا ہے، اور پستی تواضع کی علامت ہے۔ اب اگرچہ اس سے سبزہ نہ اگا۔ مگر مخلوقات کو فیض پہنچ رہا ہے۔ سب چرند پرند حیوانات آآ کر اس سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ پانی لے جاتے ہیں۔

تیسری قسم وہ زمین ہے جس نے نہ پانی جذب کیا اور نہ پانی کو محفوظ رکھا جیسے پہاڑ اور ٹیلے وغیرہ بلکہ ادھر بارش ہوئی اور ادھر سارا پانی بہہ کر ضائع ہو گیا۔

—— تو وحی میں حیات، کا مادہ ہے۔ اس کے طالب بھی تین قسم کے ہیں۔ ایک طالب وہ ہے کہ علم کی راہ میں گھر سے نکلا، بے نمازی تھا، ڈاڑھی منڈھا تھا۔ خلاف سنت کام کرتا تھا۔ یہاں آکر چند دن میں بدل گیا۔ اب اس پہ اعمال صالحہ، اتباع سنت، عاجزی اور تواضع کے پھول اور چہرہ پر سنت نبوی کا سبزہ اگ آیا۔ اب لوگ اسے دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔ کہ اس کی بداخلاقی، درشت کلامی اسب وشتم اور بدعملی یکایک کیسی بدل گئی۔ یہ وہ طالب علم ہے جس نے علم کی بارش کو اپنے اندر جذب کیا۔

بعض ایسے وجود بھی ہیں کہ جنہوں نے علوم ومعارف جمع کئے اور اب انکو اوروں تک پہنچاتے ہیں۔ گو خود زیادہ فائدہ نہ اٹھایا مگر دنیا کو فائدہ پہنچایا۔

تیسری قسم وہ ہے کہ نہ خود علم حاصل کیا۔ نہ اوروں تک پہنچایا۔ چٹیل میدانوں اور بنجر زمین اور ٹیلوں کی مانند ہیں کہ نہ علم کو جذب کیا اور نہ اوروں کے لئے محفوظ کیا۔ صحیح معنوں میں علم حاصل کرنے والے بہت کم ہیں۔ الحمدللہ بعض ایسے بھی ہیں کہ علم اس لئے حاصل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اور اس کی خوشنودی کا راستہ معلوم ہو۔ مگر قلیلٌ ما ہم۔

علم کی اوّلین شرط تصحیح نیّت ہے

علم کی تحصیل میں اوّلین اور اہم چیز نیّت ہے۔ ایک آدمی جب ایک کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے عزم اور نظریہ پہلے سے بناتا ہے۔ مقصد متعین کرتا ہے۔ اگر یہ نیت ہو کہ آگے قبر، حساب کتاب، کا مرحلہ ہے۔ خدا کے ہاں پیشی ہونی ہے۔ اور اس کے عذاب سے بچنے کے لئے اس کی مرضیات کا حصول ضروری ہے۔ اور رضا کے حصول کیلئے علم ہی ذریعہ ہے۔ اب اگر پہلے سے علم اور اپنی زندگی کا مقصد متعین کر دے تو اس کا درجہ غازی اور شہید کے برابر ہے۔ شہید وہ ہے جس کا ایک نظریہ و عقیدہ اور عندیہ ہو اور لوگ اس کے نظریہ اور عقیدہ کی مخالفت کرتے ہوں مگر یہ اس کی صداقت پر مطمئن ہوتا ہے کہ سر جائے تو جائے مگر اس نظریہ کے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اس کا تعلق دل سے ہے یہ دل میں رچ جاتا ہے۔

مقصد کی خاطر قربانی

آپ کو صحابہؓ کے واقعات معلوم ہیں اور پڑھنے کے دوران بھی معلوم ہوتے جائیں گے۔ حضرت جعفر طیارؓ کا ایک نظریہ تھا کہ زندگی کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ اور اعلاء اسلام ہے۔ میدان جنگ میں اسلام کا جھنڈا بلند کئے ہوئے ہیں۔ کافروں نے تلوار سے ہاتھ کاٹا، دوسرے ہاتھ سے جھنڈا تھام لیا۔ کہ گرنے نہ پائے۔ دوسرا ہاتھ کاٹا گیا۔ تو کہنیوں سے پکڑ کر سینہ سے لگا لیا۔ اور مرتے دم تک گرنے نہ دیا۔ کافروں نے تلواروں سے شہید کیا۔ تو گر پڑے۔ کتابوں میں ہے۔ کہ حضرت جعفرؓ کے دانت جھنڈے میں پھنس گئے تھے۔ اور بمشکل جھنڈا ان کے دانتوں سے الگ کیا گیا۔ ان حضرات کا ایک عقیدہ تھا۔ اور اس پر اذعان تھا۔ کفار اس نظریہ کے مخالف تھے مگر ان میں جب تک جان باقی تھی وہ اس کی تحفظ کر رہے تھے۔ یقین تھا تب تو عمل بھی ایسا پیش کیا۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ آج کل ہندوستان[1] کے جنوبی حصوں میں زبردست گڑبڑ ہے کالجوں کے طلبہ وغیرہ حکومت سے لڑ رہے ہیں۔ حکومت ہندی زبان رائج کرنا چاہتی ہے اور وہ علاقائی زبانیں چاہتے ہیں۔ اپنے اس نظریہ کے لئے قربانیاں دے رہے ہیں اور برسر راہ اپنے آپ پر تیل ڈال کر آگ لگا لیتے ہیں اور جل جاتے ہیں۔ اپنی جان ہلاک کر رہے ہیں مگر اپنا عندیہ چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اسی طرح پچھلے دنوں چین کا وزیر اعظم کراچی آیا ہوا تھا۔ اس کے استقبال میں استقبالیہ دروازے

۱؎ ۱۳۸۴ھ کی بات ہے۔

لگائے گئے تھے۔ چین کی کاغذی جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں۔ کہیں ایک کاغذی جھنڈا راستہ میں گر پڑا تھا چینی وزیر اعظم کی نظر پڑی تو ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں لپک کر اسے اٹھایا، بوسہ دیا۔ اور سیکرٹری کے حوالہ کرتے ہوئے کہا کہ میں کیسے برداشت کر سکتا ہوں کہ چین کا جھنڈا زمین پر پڑا ہو۔ ان قوموں کی عجیب زندگی ہے۔ دنیا کو بتلاتے ہیں کہ ہمارا ایک نظریہ ہے۔ ہم اس کی توہین برداشت نہیں کر سکتے۔

—— تو ہمارا بھی ایک عقیدہ ہے۔ ایک مسلک ہے۔ ایک پیغام ہے، ساری دنیا اور ماحول اس کی دشمن ہے۔ کفار کو تو چھوڑیئے اکثر مسلمان بھی اس پیغام قرآن وسنت کو نہیں چاہتے۔ ہمارے طلبہ کا یہ زمرہ اگرچہ بے وسیلہ بے آسرا اور بے سروسامان ہے۔ مگر اسے اس نظریہ کی حفاظت و اشاعت کے لئے جان کی بازی لگانی ہے۔ ہر قسم قربانی دینی ہے۔ ہندوستان میں انگریزوں کے دور اوّل میں بہت سے علماء شہید ہوئے برسر راہ سینکڑوں کو پھانسی پر لٹکایا گیا۔

دین کے لئے ہمارے اکابر کی قربانیاں ہمارے اکابرؒ نے قربانیاں دیں۔ ان ہی حالات میں ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانیٔ دارالعلوم دیوبند نے انار کے ایک درخت کے نیچے دین کی حفاظت کا کام شروع کیا۔ انگریز اسلام کو یہاں سے ختم کرنا چاہتا تھا۔ اور جس طرح اندلس اور سمرقند و بخارا میں مسلمانوں کا حشر ہوا وہی حالت یہاں بھی دہرانا چاہتا تھا۔ مگر ہمارے یہی اکابر میدان میں آئے وہ سمجھ رہے تھے کہ دین کی حفاظت کی یہی ایک صورت ہے۔ ان کے پاس وسائل و ذرائع نہیں تھے مگر محض اللہ کے بھروسہ پر کام کا آغاز کیا۔ آج جو کچھ بھی ہے۔ اسی اخلاص اور قربانیوں کا ثمرہ ہے ——۔

ہم خود اپنی ضعف اور کمزوری پر نظر ڈالتے ہیں تو اپنے حال پر ہنسی آجاتی ہے۔ وہ مشہور مثل ہے۔ کہ کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربہ۔ ایسے دور میں ہم جیسے کمزور دین کی کیا خدمت کر سکیں گے مگر اللہ نے دین کا ایک کام شروع کرایا۔ اور اپنی امداد وتفضل وکرم سے دستگیری کی۔ ہم الحمدللہ دنیا کے مقابلہ میں ایک نظریہ قرآن وحدیث کا رکھتے ہیں اور یہ دین جس شکل میں ہمیں سلف صالحینؒ سے پہنچا ہے یہ امانت ہمیں اسی شکل میں سیکھنی ہے اوروں تک پہنچانی ہے۔ نہ صرف زبان سے بلکہ عمل و کردار سے بھی اس کا دنیا کے سامنے پیش کرنا ضروری ہے۔ اگر عمل و کردار نہ ہو تو زبان سے کچھ نہ بنے گا۔ چین کا وزیر اعظم تو کاغذی جھنڈا زمین پہ نہ برداشت کر سکے اور ہم حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کے دعویدار بن کر سنت کا جھنڈا (ڈاڑھی) کترواکر زمین پہ گندے بول و براز کے نالوں میں پھینک دیں۔ حضرت جعفر طیارؓ نے تو مرتے وقت بھی دانتوں سے جھنڈے کو مضبوط پکڑے رکھا۔ اور ہم ایک ایک

سنت کو مٹتا دیکھ کر خاموش رہیں ؟

علم کیساتھ عمل کی ضرورت | جبکہ ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے لئے ساری دنیا سے انقطاع کر لیا اور اس کی حفاظت کے لئے دنیا کو پس پشت ڈالدیا تو ضروری ہے کہ اس علم پر ہمارا یقین و اذعان ہو، عمل ہو، اگر آپ مزدوری کرتے تو ستر اسی روپے کما سکتے تھے زمینداری تجارت کر سکتے تھے۔ یہ سب کچھ چھوڑنا ایک عظیم مقصد کی خاطر ہے۔ یہ نہ سمجھیں کہ بس ہمارا کام پڑھنا ہے اور عمل کرنا عوام کا کام ہے۔ جیسے ہندوستان میں ایک مؤذن تھا۔ اذان دے کر اپنے جوتے اٹھا لیتا اور مسجد سے باہر چلا جاتا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ اذان دیکر کہاں چلے جاتے ہو۔ نماز نہیں پڑھتے، کہا ہم تو صرف بانگی (مؤذن) ہیں۔ نمازی اور آئیں گے۔

اگر یقین و اذعان ہو تو ضرور عمل بھی درست ہوگا۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک جگہ بچھو اور سانپ کا یقین ہو اور پھر بھی کوئی وہاں ہاتھ ڈالے اگر قیامت اور عذاب و حساب پر ایسا یقین آجائے تو زندگی ضرور اس علم کے مطابق بنے گی اگر یہ چیز نہ ہو تذبذب ہو اور علم و عمل میں مطابقت نہ ہو تو اسی وقت اس راہ کی گاڑی روک دینی چاہئے اور اپنے نفس کو کہنا چاہئے کہ بیکار کوشش سے کیا فائدہ اس کی بجائے تو گھر جاکر والدین کی خدمت کرنی چاہئے۔ زندگی کے اور اور راستے اختیار کرنے چاہئیں۔

تبلیغ و انذار | زندگی کو اس علم کے مطابق بنانے کے بعد ہمارا دوسرا فریضہ اوروں کو تبلیغ و انذار کرنے کا ہے۔ تفقہ فی الدین حاصل کرنے کے بعد سب سے اہم کام یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

فلولا نفر من کل فرقۃ منھم	سو کیوں نہ نکلا ہر فرقہ میں سے ان کا ایک حصہ
طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا	تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں اور تاکہ خبر پہنچائیں
قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم	اپنی قوم کو جب کہ لوٹ کر آئیں ان کیطرف
یحذرون ۔	کہ وہ بچتے رہیں ۔ (شیخ الہندؒ)

اذعان و یقین کے بعد تبلیغ وہی مؤثر ہوگی کہ خود ہماری زندگی اس کے مطابق ہو جب آدمی خود چور ہو تو اوروں کو چوری سے کیسے منع کر سکے گا۔ جب ہم لوگوں کو انکار حدیث کی برائیاں بیان کریں گے۔ اور منکر حدیث پرویز کو کافر کہیں گے اور خود ڈاڑھی کاٹتے ہوں، خلاف سنت کام کرتے ہوں تو لوگ کہہ سکیں گے کہ خود تم بھی تو حدیث پر عمل نہیں کرتے عملاً منکر حدیث ہو تو ایسی تبلیغ کب مؤثر ہوگی ۔؟

علم کے بعد یہ فرائض جب صحیح طور پر ادا کئے جائیں گے تو خدا کی عنایت، فضل و کرم اور مہربانیاں شامل حال ہوتی ہیں۔ اور احسانات ربانی کا فیضان ہوتا ہے۔ ایسے عالم کے درجات بہت بڑے ہیں۔

علماءِ حق کے درجات | حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو عالم اللہ کی رضا کے لئے بلا کسی غرض و لالچ کے علم کی تحصیل کرتا ہے اور اسے پھیلاتا ہے۔ تو سمندر کی مچھلیاں زمین کی چیونٹیاں وحوش وطیور اور حشرات الارض اس کی مغفرت کے لئے دعا کرتے ہیں اور اگر علم کا حصول دنیاوی اغراض نام ونمود کے لئے ہو تو وہ شخص بلاشبہ الجمہ بلجام من النار کا مستحق ہوگا۔ اور اس کے لئے عذاب بھی شدید ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں طالب العلم کا درجہ اتنا اونچا ہے کہ رحمت کے فرشتے اس کی راہ میں اپنے پر بچھاتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلۂ مراد کے ایک صاحب حاضر ہوئے۔ غالباً صفوان ان کا نام ہے۔ علم کا حاصل کرنا ان کا مقصود تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت سنائی کہ ایسے لوگوں پر رحمت کے فرشتے سایۂ فگن ہوتے ہیں اور فرشتوں کے اوپر اور فرشتے سایہ کئے ہوئے ہوتے ہیں اور اسی طرح آسمان تک فرشتوں کے پرے لگ جاتے ہیں۔ فرشتوں کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ طالب العلم پر جو رحمت خداوندی نازل ہو رہی ہے ہم خود بھی اس سے فیضیاب ہو جائیں۔ یہ رحمت خداوندی نہیں تو اور کیا ہے کہ طالب علم کو بظاہر کوئی فکر نہیں ہوتا، نہ روٹی کا، نہ کپڑے کا۔ رزق سے اللہ تعالیٰ نے مستغنی کر دیا ہے۔

تبلیغ کیلئے عملی نمونہ | میرے بھائیو! دنیا کا کوئی فکر نہ کرو، نہ روٹی نہ معاش کا، اللہ غفور الرحیم اور رزاق ہے۔ اب تک جس ذات اقدس نے یہ سب کچھ مہیا کیا وہ آئندہ بھی دے گا۔ ہم ایک ایسے دور گذر رہے ہیں۔ کہ اس میں تمہارا اہم کام دین کی حفاظت کرنا ہے۔ اسے سمجھنا اور اس طرح حاصل کرنا کہ خود دنیا کے لئے ایک نمونہ بن جائیں، اور عمل پیدا ہونے کے بعد اوروں کی اصلاح کریں۔ پچھلے دنوں ایک طالب علم یہاں آئے، پہلے کالج پڑھتے تھے، ڈاڑھی مونچھ صاف مگر یہاں چند دن رہنے کے بعد اصلاح قبول کی اور وہ یکسر بدل گئے، وضع رفع سنت کے مطابق بنائی۔ میں کچھ عرصہ بعد ان کے علاقہ میں گیا لوگ اس تبدیلی پر بہت حیران تھے اس سے متاثر تھے۔ اور سب اس کی عزت کرتے تھے۔ ایک طالب العلم کے عمل سے وہاں کے لوگوں کو دار العلوم سے محبت اور علم دین کی طرف رغبت پیدا ہوئی۔ ایک طالب العلم کے عمل سے پورا علاقہ متاثر ہوا۔ اگر ہم اپنا ماحول دیندار کر لیں تو سارا ملک دیندار بن سکتا ہے۔ ہم میں اتباع سنت ہو۔ اخلاق وعادات میں قرآن وحدیث کی پیروی ہو تو سارے ملک کی اصلاح ہو جائے گی۔ ایسے نازک وقت میں ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا چاہئے۔

تحقیق وریسرچ کے نام سے ایجاد و تحریف دین | ابھی تھوڑی دیر قبل مجلس میں ذکر ہو رہا تھا کہ ملک میں گمراہی اور الحاد کا ایک سیلاب تیزی سے آرہا ہے۔ سب اسلامی حکومتوں کا رجحان بے دینی اور بے حیائی کی طرف ہے۔ ہمارا ملک ہو یا ایران ترک ہوں یا انڈونیشیا سب یہ چاہتے ہیں کہ

ہم صرف اسلام کا نام تو استعمال کریں کہ بعض مواقع میں اس کی ضرورت پڑتی ہے اور اس سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ باقی عملاً کوئی پابندی نہ ہو۔ شریعت سے آزادی ہو، جُوا جائز ہو، زنا اور بے پردگی عام ہو، ڈاڑھی منڈوانا جائز ہو۔ شراب حلال ہو۔ سود کا کاروبار جاری ہو اور جو بھی ممنوع اور حرام کام کریں۔ اسلام کا لیبل اس پر لگا ہو۔ حکومتوں نے اس مقصد کے لئے مستقل ادارے قائم کئے ہیں جو اسلام کے متفقہ اجماعی محرمات کے بارہ میں ریسرچ اور تحقیق کر رہے ہیں کہ موجودہ سود کی حقیقت حرام شدہ سود سے الگ ہے۔ وہ ربوا الگ تھی اور یہ تو جائز منافع ہے (معاذ اللہ) موجودہ شراب اس زمانے کا شراب نہیں کیونکہ مشینوں سے اس کے مضر اثرات ختم کر دئے گئے ہیں یہ تو شراب مصفّٰی ہے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ علماء وطلبہ کی یہ جماعت اور یہ مدارس قطعاً نہ ہوں کہ ان کے الحاد و زندقہ کی مخالفت کرنے والے نہ رہیں اور اور ان پر نکیر کرنے والے لوگ ختم ہو جائیں۔ سب اسلامی ملکوں کی یہی حالت ہے۔ یہاں تو پھر بھی حالت قدرے اچھی ہے اور یہ برکت ہے ان مدارس کی۔ اللہ تعالیٰ مولانا نانوتویؒ کی قبر پر رحمتوں کی بارش برسادے کہ انہوں نے عین موقع پر علم کی ایک شاخ لگا دی اگر یہ دینی مدارس نہ ہوتے تو یہاں کا نقشہ بدل گیا ہوتا، دین مٹ جاتا۔ اب ان ملحدین کی سمجھ میں نہیں آتا ـــــ کہ مدارس عربیہ اور علماء و طلباء کا یہ جال جو پھیل رہا ہے کس طرح اس کا مقابلہ کریں اور اب رجالِ دین کے ذریعہ نہیں بلکہ ریسرچ اور تحقیق تصنیف و تالیف کے ذریعہ دین پر ان کی یلغار ہے۔ تو ہمیں چاہئے کہ اس کے مقابلہ کے لئے بھی تیاری کریں کہ اصلی اسلام محفوظ رہے اور دین میں یہ لوگ تحریف نہ کر بیٹھیں۔

دہریت کا مقابلہ اندرون ملک ان فتنوں کی سرکوبی کے علاوہ دوسرا سیلاب دہریت کا ہے کفار کہتے ہیں کہ اسلام و مذہب کی ضرورت نہیں۔ چین اور روس وغیرہ دہری ہیں اور ہمارے ملک کو دہریت کا یہ خطرہ بھی درپیش ہے۔ امریکہ و برطانیہ ان دہریوں سے بھی زیادہ خبیث ہیں ہمیں آنے والے دور میں عقائد کا تحفظ کرانا ہے۔ باہر دنیا کو بتلانا ہے کہ اس عالم انسان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کا وجود اور وحی ضروری ہے۔ بغیر اس کے نجات نہیں ہو سکتی۔ قیامت کا دن اور حساب وکتاب حق ہے۔ وحدانیت خداوندی اور رسالت محمدی حق ہے۔ اب اسلام کی حفاظت کے لئے تو اور مخلوق نہیں آئے گی ہمیں یہ کام سنبھالنا ہے۔ گو غیبی امداد ضروری ہے۔

ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم ‏ ‏ ‏ اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو وہ تمہاری مدد کریگا۔

ایسے حالات میں اگر ہماری حالت خود خراب ہو باہمی جنگ وجدال اور فروعی مسائل پہ مار پیٹ میں لگے رہیں تو یہ کام کس طرح ہوگا۔ اہل باطل جو انگریزوں کے شاگرد ہیں۔ تو یہی چاہتے ہیں کہ علماء آپس کے

جھگڑوں میں پھنسے رہیں جس طرح بنوعباس کے دور میں حکومت نے علم کلام کے جھگڑوں میں علماء کو مشغول رکھا تاکہ نصب العین ان کی نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ اور اہل باطل کو یلغار کا موقع ملے۔

اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ایک فارم پڑھ کر سنایا جس میں طلبہ کے لئے تعلیمی، اخلاقی، اور تربیتی ضوابط بنائے گئے تھے۔ اور جن پر داخلہ کے وقت طلبہ سے دستخط لیا جاتا ہے۔ ساتھ ساتھ آپ نے بعض قواعد کی تشریح کی اور اس پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

ادب | اس میں پہلی دفعہ اساتذہ اور مہتمم مدرسہ کے احترام کا ہے۔ بھائیو! اساتذہ اور منتظمین مدرسہ تمہارے دشمن نہیں ہوتے۔ استاد تمہارا روحانی باپ ہے۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے: من علمنی حرفاً فهو مولائی۔ کہ جس نے مجھے ایک حرف سکھایا وہ میرا مالک ہے۔ چاہے مجھے فروخت کرے یا غلام رکھ لے۔ استاد کی محبت اور احترام حصول علم کی اولین شرط ہے۔ امام سرخسیؒ کہیں باہر گئے وہاں کے سب تلامذہ ان سے ملنے آئے ایک شاگرد نہ آئے اور جب ان کے جاتے وقت ملنے آئے تو معذرت ظاہر کی۔ کہ میری والدہ بستر مرگ پر تھیں اس لئے نہ آسکا۔

امام سرخسیؒ نے فرمایا کہ اس شخص کی عمر زیادہ ہوگی مگر علم میں برکت نہیں ہوگی۔ امام صاحبؒ نے بددعا نہیں کی۔ لیکن خاصیت بتلادی کہ والدین کی خدمت سے عمر میں اور اساتذہ کے ادب سے علم میں برکت اور اضافہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس شخص کو ایک سو بیس ۱۲۰ برس کی عمر ملی۔ مگر کسی کو فیض نہ پہنچا۔ میں خود دیوبند میں تھا تو زمانۂ طالب العلمی میں حضرت شیخ مدنیؒ کے ہاں بعض اوقات ان کی خدمت کے لئے جایا کرتا۔ اور پاؤں دباتا بعض ساتھی ہنستے کہ یہ چاپلوسی کرتا ہے۔ مگر یہ ان بزرگوں کی توجہ کا نتیجہ تھا کہ مجھ نالائق انسان سے بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ نہ کچھ کام دین کا لیا۔ اور توفیق دے رہے ہیں۔ ان میں سے اور کئی ساتھی تھے جو اس راستہ کو چھوڑ چکے ہیں تو علم سارا ادب ہی ادب ہے۔ دین کی ادب اساتذہ اور علم کا ادب۔

جو مشفق اساتذہ گھر بار چھوڑ کر تمہاری تعلیم میں شب و روز مصروف ہیں۔ وہ تمہارے بدخواہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ اگر برائی سے منع کرتا ہے تو تمہاری خیر خواہی کے لئے۔ ہاں اگر بالفرض استاد ناجائز کہے تو لا طاعة للمخلوق فی معصیة الخالق۔ جسمانی والدین کا جتنا احترام ہے کہ انہیں درشت جواب بھی نہ دو اور نرم کلامی اختیار کرو وہی احترام روحانی باپ کا بھی کرنا لازمی ہے۔ اور اس کے احکام کی تعمیل ضروری ہے

دفعہ ۲ اسی طرح ان ضوابط میں نماز باجماعت پر بھی زور دیا گیا ہے۔ سنت کی پہلی بنیاد نماز

باجماعت کی پابندی ہے اگر آپ لوگ احیاء سنت کرنی چاہیں تو جماعت کو ملحوظ رکھیں۔ یہ کب جائز ہے کہ جماعت کھڑی ہو اور طلبہ ادھر ادھر پھرتے رہیں، عوام کیا اثر لیں گے۔ تو یہاں ترک جماعت کے لئے کوئی غیر شرعی عذر مسموع نہ ہوگا۔

دفعہ نمبر ۵ اس دفعہ میں عالمانہ وضع رفع اور صلحاء کا لباس اور شکل وصورت اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

بھائیو! باطل قومیں اپنی ثقافت اور یونیفارم کی حفاظت کے لئے جان دیدیتی ہیں۔ قوم کی قوم تباہ ہوجاتی ہے۔ مگر یونیفارم کو نہیں بدلتے۔ مرزا بے دل فارسی کا مشہور شاعر تھا۔ ایران سے علماء آئے دہلی میں مرزا بیدل سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس کا چرچا انہوں نے سنا تھا۔ جب اسے دیکھا تو حیران ہوئے کہ اتنی بڑی شہرت اور ڈاڑھی منہ صاف۔ متعجب ہوکر کہنے لگے کہ ایں مرزا بیدل است ریش رامی تراشد؟ تو اس نے کہا کہ بلے ریش رامی تراشد مگر دل کسے رانمی خراشد۔ آجکل بھی یہی کہا جاتا ہے کہ ڈاڑھی منڈوائی تو کیا دل تو صاف ہے اور محبت سے لبریز ہے وہاں بھی ایسا کہا گیا کہ ڈاڑھی تراشتے ہیں مگر کسی کا دل نہیں دکھاتے۔ ایرانی علماء نے فقرہ چست کیا کہ لکن دل رسول اللہ رامی خراشد۔ مرزا بیدل کے دل پر اس جملہ کا اتنا اثر ہوا کہ تڑپ گئے، سوچنے لگے کہ یہ کیسی محبت ہے۔ کہ حضورؐ کی مخالفت کر رہا ہوں اور اس کے دل کو زخمی کرتا ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ اس شدت احساس کے غم میں تیسرے دن انتقال کر گئے۔

بھائیو! یہاں باہر سے لوگ آتے رہتے ہیں۔ خود ڈاڑھی منڈے بھی ہوں مگر تمہاری صورت اور سیرت کو اچھی شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور جب ہماری شکل علماء وطلباء کی طرح نہیں ہوگی تو وہ متنفر ہوں گے۔ کہ یہ کیسے لوگ ہیں کہ حدیث پڑھتے ہیں مگر ان پر اثر نہیں ہوتا۔ علماء وفقہاء کا اجماع ہے۔ کہ ڈاڑھی منڈانے والا شخص فاسق ہے۔ گو اس کے پیچھے نماز ہوتی ہے، مگر مکروہ ہے۔ اور اس کی گواہی قبول نہیں جو لوگ فقہ اور حدیث کے ان تصریحات کو نہیں مانتے وہ پرویزی اور منکرین حدیث ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عمل سے ڈاڑھی کی حد مقرر فرمائی ہے اور مٹھی سے کم کرنا جائز نہیں۔

اسی طرح رہنے سہنے میں صفائی کا خیال رکھیں۔ کمرہ کو صاف رکھیں۔ کپڑے صاف رکھیں، گندی جگہ پر رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ اور مدرسہ کی کسی چیز کا ناجائز استعمال حرام ہے۔ مدرسہ کے تمام انتظامات آپ ہی کے آرام وراحت کیلئے ہیں۔ اب سب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے تمام عادات واطوار، اخلاق اور علم و عمل کو شریعت وسنت کے مطابق بنادے اور ہمیں علماء حق کی راہ پر چلنے کی توفیق ہو۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ ■■

مولانا عبدالشکور ترمذی ساہی وال ضلع سرگودھا

تلخیص وانتخاب از ترجمان السنۃ

مقامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قسط ۲

کتاب وسنت کی روشنی

انبیاء علیہم السلام کی بشریت کا عقیدہ بنیادی اور تمام شرائع اور ملل کا اجماعی مسئلہ ہے۔ یہی وہ عقیدہ تھا جو ابتدا میں اولادِ آدم کو بنیادی طور پر بتلایا گیا تھا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یبنی آدم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم آیاتی فمن اتقی و اصلح فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

اے اولادِ آدم اگر تمہارے پاس تمہیں میں سے سچے رسول آئیں جو تمہارے سامنے ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائیں۔ تو جو تقویٰ کی راہ اختیار کرے اور نیک رہے تو ان پر نہ کوئی خوف وہراس اور نہ کوئی غم۔

آیتِ بالا سے صاف واضح ہے کہ عالم کی ابتدا میں جن باتوں کی اولادِ آدم کو بنیادی طور پر تعلیم دی گئی تھی ان میں ایک بعثتِ رسول، دوم رسولوں کے انسان ہونے کا عقیدہ تھا، بلکہ قرآنِ کریم نے جابجا بعثت کے ساتھ رسولوں کے انسان ہونے کو ایک مستقل انعام قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم۔

یہاں امتنان واحسان کے موقع میں منجملہ اور باتوں کے تین امور کو بالخصوص نمایاں کیا گیا ہے بعثتِ رسول، پھر اس انعام کے لئے سرزمینِ عرب کا انتخاب، اور سب سے بڑھ کر اس رسول کا انسان ہونا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بنی اسماعیل میں ایک نبی کے لئے دعا فرمائی تو انہوں نے بھی اس اہم نقطہ کو فراموش نہیں کیا اور اپنی دعا میں فرمایا:

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم۔

پھر جب اس دعا مستجاب کے ظہور کا وقت آیا تو دعاءِ خلیل میں لفظ "منھم" کی استجابت کو مزید تاکید کے ساتھ لفظ من انفسھم۔ سے ذکر کیا گیا۔ یعنی اس رسول کو انسانوں میں تو بھیجا ہی تھا۔ مگر ان

میں بھی جس سے انہیں قریب سے قریب تر علاقہ ہو سکتا تھا ان میں بھیجا ہے۔ انسانوں میں عرب، عربوں میں قریشی اور قریش میں ہاشمی بنایا مگر ان چند در چند خصوصیات کے باوجود پھر وہ ایک انسان ہی رہا۔ اور اس تمام سلسلہ میں جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی رسول ایسا نہیں تھا جو انسان نہ ہوتا۔

قرآنی مسئلہ | ثابت ہوا کہ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کا مسئلہ صرف حدیثی مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ مسئلہ قرآنی بھی ہے۔ قرآنِ کریم نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کے مسئلہ کو جابجا مسلّمات اور بدیہیات کی طرح پیش کیا ہے۔

قاضی عیاض مالکیؒ | قاضی عیاض مالکیؒ نے جو تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بڑا بلند مذاق رکھتے ہیں۔ اپنی تصنیف "الشفا" میں مسئلہ عصمت پر بحث کرتے ہوئے آخر میں بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ کہ رسولؐ یقیناً معصوم ہوتے ہیں۔ مگر بشریت سے معصوم نہیں ہوتے۔ وہ بشر کی طرح پیدا ہوتے ہیں۔ اور انسانی زندگی کے جملہ ادوار طفلی، شباب، اور شیخوخت سب سے عبور کرتے ہوئے آخر میں اسی طرح زیرِ زمین مدفون ہو جاتے ہیں جیسا کہ جنس بشر ہمیشہ سے مدفون ہوتی چلی آئی ہے۔

عقلی مسئلہ | جب تمام مخلوقات میں بشر ہی سب سے افضل اور سب سے اشرف مخلوق ہے تو پھر انبیاء اور رسولوں کی بشریت کا انکار کر کے آخر ان کو اور کس مخلوق میں شامل کیا جائے گا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ خالق کی جانب میں تو کسی امر میں بھی شرکت کی گنجائش نہیں نہ اس کی ذات میں نہ اس کی صفات میں، پھر خالق سے ہٹ کر مخلوق کا ہی دائرہ ہے، اس میں سب سے بڑھ کر افضل و اشرف یہی نوعِ انسانی ہے۔ اس کو رب العزت نے اپنی خلافت کے اعزاز کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام اس اشرف نوع سے خارج کر دئیے جائیں تو پھر اور کونسی نوع میں ان کو داخل کیا جائے گا۔؟

بشریت کا مطلب | انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بشر ضرور ہوتے ہیں، مگر اس کا یہ مطلب سمجھنا بھی صحیح نہیں ہے کہ وہ بالکل ایسے ہی بشر ہوتے ہیں جیسے کہ عام بشر ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام بشر ہوتے ہوئے عام بشر سے اتنے ممتاز بھی ہوتے ہیں کہ اگر بیک وقت دونوں پر نظر ڈالی جائے تو یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا وہ علیحدہ علیحدہ دو صنفوں کے افراد ہیں۔ متنبی شاعر نے ایک ہی صنف میں اشتراک کے باوجود ان کے افراد میں امتیاز کی معقولیت کو کیا خوب انداز سے ادا کیا ہے ؎

فان تفق الانام وانت منہم 	فان المسک بعض دم الغزال

اے ممدوح اگر تو مخلوق میں شامل ہو کر پھر ان سب پر فوقیت رکھتا ہے تو اس میں تعجب کی بات کیا ہے آخر مشک بھی تو اسی ہرن کے خون کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ لیکن پھر ان دونوں میں کیا نسبت وہ متعفن اور یہ معطر وہ ناپاک اور یہ پاک، پس اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی نفس بشریت میں گو سب انسانوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ لیکن پھر ان سے مشک کی طرح ممتاز بھی ہوتے ہیں، صرف اپنی سیرت میں ہی نہیں بلکہ اپنے جسم و جوارح میں بھی اور ان کے خواص میں بھی دوسرے انسانوں سے وہ ممتاز ہوتے ہیں۔

امام رازی کا ارشاد | امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام جسطرح عام بشر سے اپنی روحانی قوتوں میں ممتاز ہوتے ہیں، اسی طرح جسمانی طاقتوں قوت سامعہ، باصرہ، شامہ، اور ذائقہ میں ممتاز ہوتے ہیں۔ (کبیر ص۵۵ ج۴)

عالم کے اندر قدرتی تفاوت و تفاضل | عالم میں قدرت نے مختلف انواع اور انواع میں مختلف اصناف پھر اصناف میں مختلف استعداد کے افراد پیدا فرمائے ہیں۔ دیکھئے نباتات، حیوانات، اور انسان، یہ مختلف انواع ہیں، اور ہر عاقل جانتا ہے کہ ان انواع میں کتنا فرق ہے۔ جمادات بالکل بے حس و شعور نظر آتے ہیں، نباتات یہاں کچھ ان سے پیش گام ہیں اور حیوانات کچھ کچھ ادراک و علم سے بھی فیضیاب معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب آخری نوع انسان کا نمبر آتا ہے۔ تو اس کے شعور و حس علم و ادراک کے سامنے دوسری انواع ایک ذرہ بے مقدار نظر آتی ہیں۔ مگر کیا اسکی برتری کی وجہ سے دوسری انواع کے ساتھ اس کی مخلوقیت میں شرکت سے کوئی شخص انکار کر سکتا ہے؟ اسی طرح اگر اصناف پر غور کیا جائے تو معمولی پتھر بھی ایک پتھر ہے۔ اور لعل و جواہرات بھی پتھر ہی ہیں۔ گھاس بھی ایک نبات ہے اور گیہوں بھی۔ اسی طرح گدھا بھی ایک جانور ہے۔ اور گھوڑا بھی مگر کیا اس اشتراک کی وجہ سے یہ کہنا درست ہوگا کہ یہ سب اصناف برابر ہیں ان میں باہم کوئی تفاضل نہیں اسی طرح اب اگر ہر صنف کے افراد پر غور کیا جائے تو ہر صنف کے افراد میں بھی فضل و قیمت کا اتنا بڑا تفاوت نظر آئے گا۔ کہ اس کا ضبط و احصار مشکل ہے، لعل و جواہر کی قیمتوں کے تفاوت پر غور کیا جائے۔ اسی طرح حیوانات میں گھوڑے کی صنف کے افراد کی قیمتوں پر غور کیا جائے تو فضیلت کے اتنے درجات نظر آئیں گے کہ صنفی اشتراک کے بعد بھی ان میں گویا کوئی اشتراک ہی نہیں ہے۔

نوع انسانی کے افراد میں تفاوت | اسی طرح نوع انسانی کا حال ہے۔ بلکہ یہ نوع جتنی شریف تر

ہے۔ اس کے افراد میں تفاوت بھی اتنا ہی بے اندازہ ہے۔ کافر بھی انسان ہی کا فرد ہے اور مسلم بھی، پھر مقبولین کے افراد کو اگر مجملاً منضبط کیا جائے تو قرآن کریم کے الفاظ میں وہ چار طائفہ ہیں، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، ان کے درمیان فضائل و کمالات میں بے انداز تفاوت ہے۔ پھر یہی حال ان میں سے ہر طائفہ کا ہے، اس لئے کسی صنف یا نوع کے افراد میں ان کے باہم تفاضل کا انکار کرنا نہ تو یہ حقیقت پر مبنی ہے۔ اور نہ ہی ان کے تفاضل کا اقرار کر کے ان کے صنفی یا نوعی اشتراک کا انکار کرنا یہ علم کی بات ہے۔

اب جس فریق نے انبیاء علیہم السلام کے امتیازات اور فضائل کا باب پڑھ کر ان کے بشر ہونے کا ہی انکار کر ڈالا وہ بھی تاریکی میں ہے اور جس نے ان کی بشریت کا اقرار کر کے ان کو ٹھیک عام انسانوں کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا وہ بھی مقامِ رسالت سے بڑا بے بہرہ ہے۔

صحیح مقام | انبیاء علیہم السلام کا صحیح اور ٹھیک مقام یہ ہے کہ وہ بشر بلکہ سید البشر ہوتے ہیں۔ لیکن بشر ہونے کے باوجود وہ عام بشر سے نہ صرف یہ کہ روحانی کمالات ہی میں ممتاز ہوتے ہیں، بلکہ جسمانی اوصاف اور کمالات میں بھی ان کو گونہ گوں خصوصیات اور امتیازات حاصل ہوتے ہیں۔ اور عام انسانوں کے اجسام کی بنسبت انبیاء علیہم السلام کے اجسام میں بھی بعض جسمانی خواص عطا فرما کر عام انسانوں سے ان کو ممتاز کیا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض خواص | قالبِ انسانی آپ کو بھی ملا، مگر وہ قالب جو منوّر ہے، پسینہ آپ کو بھی آیا مگر وہ پسینہ نہیں جو عام انسانوں کو آتا ہے اور دماغ کو متعفن کر دیتا ہے، بلکہ وہ پسینہ جو مشامِ جاں کو معطر کر دے۔ سوتے آپ بھی تھے مگر وہ نیند نہیں جو دل کو غافل کر دے بلکہ عین نیند کی حالت میں بھی آپ کا قلبِ مبارک دوسرے تمام بیداروں سے زیادہ بیدار رہتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کا خواب وحی ہوتا ہے۔ اور آپ کی نیند ناقص وضو نہیں ہوتی، دیکھتے آپ بھی تھے مگر عام انسانوں کی طرح صرف سامنے ہی کی چیزوں کو نہیں دیکھتے تھے بلکہ بعض اوقات پشت کی جانب سے بھی اسی طرح دیکھتے تھے جیسا کہ اپنے سامنے کی جانب سے، وفات کے بعد آپ کا جسم مبارک بھی دفن کیا گیا مگر آپ کے پورے کے پورے جسم کی ساخت کچھ ایسی امتیازی ہے کہ وہ زمین کے تخریبی اثرات سے بالکل محفوظ ہے۔

یوں تو ادویات کے ذریعہ سے اجسام کا بعد موت کے محفوظ رکھنا مصر کی عام صنعت تھی اور اسی صنعت کی بدولت آج عجائب گھروں میں ہزاروں سال کی لاشیں موجود نظر آتی ہیں۔ لیکن

انبیاء علیہم السلام کی جماعت چونکہ صنعت اجتباء و اصطفاء کے ماتحت ہوتی ہے اس لئے بغیر کسی صنعت اور کسب و اکتساب کے ہی ان کے اجسام کی ابتدائی نہاد ہی میں اس حفاظت کا امتیاز رکھ دیا گیا ہے ۔

اب سوچئے کہ اگر انبیاء علیہم السلام کے جسم عنصری ہی میں کوئی امتیاز اور خصوصیت نہیں ہوتی تو جس غذا کے اثرات سے دوسرے جسموں کو متعفن پسینہ آتا ہے وہ ان کو کیوں نہیں آتا اور ان کے حواس کے ادراک کا دائرہ عام انسانوں سے بالاتر کیوں ہوتا ہے اور کیوں ان کی نیند عام انسانوں کی سی نہیں ہوتی ، عام انسانوں میں غفلت کی نیند صحت کی علامت ہو، اور انبیاء علیہم السلام کے یہاں تیقظ کی نیند موجب کمال ہو۔ کیا اس سے یہ صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ ان کے اجسام عنصریہ کی نہاد ہی کچھ عام اجسام سے نرالی ہوتی ہے۔

ان کمالات کے باوجود بھی وہ بشر ہی ہیں | مگر ان کمالات کے ہوتے ہوئے بھی انبیاء علیہم السلام کا قدم سر مو بشریت سے باہر گیا ہرگز نہیں، انبیاء علیہم السلام کے اجسام میں خواہ کتنی ہی خصوصیات ہوں مگر وہ پھر بھی جسم کی خصوصیات ہوں گی جو ان کے عام اجسام سے بالاتر ہونے کی دلیل تو بن سکتی ہیں، مگر جو ذات عالی جسم و جسمانیات سے بھی بالاتر ہو۔ اور ان صفات و خصوصیات کی خالق ہے اور ان میں سے ہر صفت جس کے لئے نقص در نقص اور عیب در عیب ہے ۔ بھلا اس کے ساتھ کوئی ادنیٰ سا اشتراک کیسے پیدا کر سکتی ہیں ؟ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے منکر ہیں درحقیقت نہ تو ان کو بشریت کے کمالات سے آگاہی ہے نہ ہی خدائی صفات کا اندازہ ہے صحیح بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات بشریت کے اقرار سے خدائی توحید کو مکدر سمجھنا بھی غلطی ہے اور خدائی توحید کا کمال آپکے کمالات بشریت کے انکار میں سمجھنا بھی غلط ہے۔ جو لوگ انبیاء علیہم السلام کو خدائی عظمت دے کر ان کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ وہ درحقیقت اس کی ناراضگی خرید رہے ہیں اور جو محروم القسمت انبیاء علیہم السلام کا ادب بھی نہیں جانتے وہ دراصل اپنے خدا کا غصہ مول لے رہے ہیں ۔

محمد از تو می خواہم خدا را خدایا از تو می خواہم محمدؐ

رسولوں کا تعارف لفظ رسول سے | رسولوں کے صحیح مقام کے سمجھنے کے لئے خود لفظ رسول سے زیادہ صحیح اور آسان کوئی اور لفظ نہیں ہے۔ اس لفظ سے محبت و عظمت کے وہ تمام تقاضے بھی پورے ہو جاتے ہیں۔ جو ایک کامل سے کامل انسان کیلئے فطرت انسانی میں موجزن ہوتے ہیں۔ اور عبد و معبود کی وہ ساری حدود بھی محفوظ رہتی ہیں جو کفر و ایمان کے درمیان خط فاصل ہو سکتی ہیں اسی لئے خدا تعالیٰ کے سب رسولوں نے اپنا تعارف اسی لفظ رسول سے پیش کیا ہے ۔

اور آخر میں قرآنِ کریم نے سب سے افضل اور سب سے برتر رسول کا تعارف بھی جس لفظ میں پیش کیا وہ بھی لفظِ رسول ہے۔ ارشاد ہے محمد رسول اللہ، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں ——
وما محمد الا رسول، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر ہونے کے سوا الوہیت کا شائبہ نہیں رکھتے۔"
معلوم ہوا کہ یہ کلمہ ایسا پرعظمت کلمہ ہے کہ نبی الانبیاء کے تعارف کے لئے بھی اس سے زیادہ موزوں کوئی اور کلمہ نہیں ہے۔ الغرض رسول کیلئے جو جامع سے جامع لفظ اختیار کیا تھا وہ خود لفظِ رسول تھا۔ اور اسی لئے اذانوں میں خطبوں میں نمازوں میں جس لفظ کا بار بار اعلان کیا جاتا ہے وہ یہی لفظِ رسول ہے۔

وحدتِ ملی | رسول کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ وحدتِ ملی کا ایک مستحکم مرکز ہوتا ہے اس لئے اس کی ذات ایمان وکفر کا محور ہوتی ہے۔ یعنی اس سے وابستگی ایمان اور اس سے علیحدگی کفر کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔ ہزاروں اختلافات رسول کی ذات سے وابستگی کے بعد وحدت واخوت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور بہت سی جمعیتیں رسول کے دامن سے علیحدہ ہو کر صفتِ وحدت سے خالی ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: واذکروا اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔ اور دوسری صورت کو ان الفاظ میں ارشاد فرمایا تحسبھم جمیعا وقلوبھم شتی۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل عرب کے اختلافات کا تصور کیجئے اور نقطہ رسالت پر جمع ہونے کے بعد ان کی شانِ وحدت کو ملاحظہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ ہزاروں افراد یا تو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے یا فردِ واحد کی طرح ایسے ایک جان ہو چکے تھے کہ مشرقی مسلمان کی تکلیف سے مغربی مسلمان کو وہی تکلیف محسوس ہوتی تھی جو ایک انسان میں ایک عضو کی تکلیف سے تمام اعضاء کو محسوس ہوتی ہے وہ ابھی یا تو اینٹوں کے ڈھیر کی طرح میدان میں بکھرے پڑے ہوئے تھے یا ایک ہی ساعت کے بعد ایک مستحکم تعمیر کی شکل میں منظم ومرتب تھے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے مرتبط اور باعثِ استحکام تھی۔

جسطرح دیوار کی اینٹیں باہم بھی ایک دوسرے کیلئے باعثِ استحکام ہوتی ہیں اور چھت کا بوجھ بٹانے میں بھی برابر کی شریک رہتی ہیں۔ مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ وہ باہمی اور قومی بوجھ کو اسی طرح تقسیم کر لیا کریں۔ اگر وہ ایسا کر لیں تو ان کا منتشر شیرازہ دنیا کے سامنے ایک مضبوط دیوار کیطرح بن سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان وحدت و اجتماع کی دعوت دیتا ہے اور کفر تحزب و تشتت کی۔ اسی لئے قرآن کریم نے جب صحابہؓ کے دور کفر کا نقشہ کھینچا تو اس کا جو پہلو سب سے زیادہ نمایاں فرمایا وہ انکی باہمی عداوت و تحزب تھا۔ پھر اسلام کے بعد جس نعمت، کا سب سے زیادہ احسان جتایا وہ ان کی باہمی وحدت اور محبت و اخوت تھی۔ ایسی وحدت و اخوت کہ اگرچہ ان کے قالبوں کے مابین مشرق و مغرب کا فاصلہ بھی ہوتا مگر پھر بھی وہ ایک دوسرے کی تکلیف کے احساس میں اتنے قریب ہوتے کہ مشرق کے ایک مسلمان کے پیر کے کانٹے کی چبک مغرب کا رہنے والا مسلمان اپنے دل میں محسوس کرتا ان کا یہ رشتہ محبت و اخوت صرف مبالغہ اور محض ایک رنگ آمیزی نہیں، بلکہ ان کے احساسات کی صحیح ترجمانی ہے۔ ارشاد ہے:

واذکروا اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔	یاد کرو تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان ایسی محبت پیدا کر دی کہ محض اس کی مہربانی کی بدولت تم ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔

...

یاد رکھئے کہ آپ کا ایمان جتنا کامل اور مستحکم ہوتا چلا جائے گا اتنا ہی آپکا اتحاد اور قومی تعمیر بھی مستحکم ہوتی چلی جائے گی۔ اور جتنا اس میں نقصان پیدا ہوتا رہے گا، اسی قدر آپ کے اتحاد اور قومی تعمیر میں بھی ضعف پیدا ہوتا رہے گا۔

تعجب یہ کہ وحدت و افتراق کے جو بنیادی اسباب ہیں کم از کم مسلمان اس سے کیونکر غافل ہیں وہ جس مجمع میں اتحاد و اخوت کی دعوت دیتے ہیں اس میں اصل رشتہ ایمانی پر ضرب بھی لگاتے جاتے ہیں۔

دنیا کی تمام وحدتیں ملی وحدت کے سامنے ہیچ ہیں | وحدت قومی، وحدت ملکی، وحدت قبیلہ، وحدت نسب، اور اس کے سوا جتنی وحدتیں پیدا ہو سکتی ہیں وہ سب اسی حقیقی وحدت ملی کے سامنے ہیچ اور لاشئی ہیں۔ جب کبھی اس وحدت حقیقیہ کی دوسری وحدتوں سے ٹکر ہوئی تو دوسری تمام وحدتیں پاش پاش ہو کر مٹ گئیں اور صرف یہی ملت کی ایک مرکزی وحدت باقی رہ گئی۔

رسول ریاضت سے نہیں بنتے بلکہ وہ منتخب شدہ ہوتے ہیں۔ | جسطرح حکومت کا کوئی عہدہ اور منصب بڑی سے بڑی ڈگریاں حاصل کر کے بھی نہیں مل جاتا۔ اور جبتک حکومت کسی شخص کا خود انتخاب کر کے اس کو کوئی عہدہ اور منصب عطا نہ کر دے۔ اس وقت تک وہ اس عہدہ و منصب

پر فائز نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح رسالت بھی چونکہ ایک منصب اور عہدہ ہے، اس لئے یہ بھی کسی شخص کے عبادت و ریاضت سے ہی حاصل نہیں ہو جاتا اور نہ کسب و اکتساب سے اس منصب پر فائز ہوا جا سکتا ہے۔ بلکہ یہ دست قدرت کا براہ راست انتخاب ہوتا ہے جسے چاہے اس منصب کے لئے خدا تعالیٰ انتخاب فرما کر منصب رسالت پر مامور فرما دیتے ہیں۔

جسقدر رسول دنیا میں آئے آپ سب کی سیرت کا تفصیلی مطالعہ کر جائیے، ان کی زندگی کا ورق ورق لوٹ جائیے، مگر قرآن و حدیث سے کہیں ثابت نہ ہوگا کہ کسی شخص کو منصب رسالت اس کی ریاضت و عبادت کے صلہ میں عطا کیا گیا ہے۔ بلکہ جس کسی کو بھی خدا تعالیٰ نے یہ منصب عطا فرمایا ہے اسکو براہ راست اس منصب سے نواز دیا ہے۔ اس لئے کہ یہ منصب براہ راست خدا تعالیٰ کے اصطفا اور اختیار پر موقوف ہے۔ کسی کی ریاضت و عبادت اور کسب و اکتساب سے یہ منصب حاصل نہیں ہو سکتا۔

اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلا ومن الناس۔	اللہ تعالیٰ فرشتوں میں اور انسانوں میں رسول اپنی ہی پسند سے بناتا ہے۔
اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ	یہ بات خدا ہی خوب جانتا ہے کہ اسے اپنا رسول کیسے بنانا ہے۔

رسالت وہبی ہے کسبی نہیں ہے | ان آیات سے معلوم ہوا کہ رسالت صرف وہبی ہے کسبی نہیں ہے۔ یعنی عبادات و ریاضات سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ نے جس میں چاہا نبوت و رسالت کی اہلیت رکھ دی۔ دوسری آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ منصب رسالت و نبوت جن خصوصیات کی بناء پر مرحمت ہوتا ہے ان کا علم بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو نہیں ہوتا، اور ان کا انتخاب کوئی اور نہیں کر سکتا۔

غرضیکہ رسالت کا معاملہ رزق کی طرح صرف خدائی تقسیم پر موقوف ہے اس لئے جب کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں اپنی رائے زنی شروع کی تو نہایت تحمیق کے لہجہ میں یہ کہہ کر ان کو خاموش کر دیا گیا —— اھم یقسمون رحمت ربک نحن قسمنا بینھم معیشتھم یعنی نبوت و رسالت رزق کی طرح ربوبیت کا حق ہے۔ رزق کی تقسیم اس نے کسی کے حوالہ نہیں کی اپنے ذمہ رکھی ہے، تو نبوت کی تقسیم کو بھی ایسا ہی سمجھنا چاہئے۔

(باقی آئندہ)

مضطر عباسی ایم اے۔ (مری)

امریکہ اور امریکی سرمایہ دار

جدید استعمار

سامراجیت کے مقاصد اور طریق کار

استعمار عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنیٰ ہیں آباد کرنا، یا نئی بستی بسانا۔ اصطلاح میں استعمار سے مراد وہ نظام ہے جس میں طاقت ور ملک کے سرمایہ دار اپنی حکومت اور فوج کے ذریعہ کمزور اور پسماندہ ملکوں کے غریب عوام کو لوٹتے ہیں۔ لوٹ کا طریقہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ کمزور ملک کی بیرونی تجارت پر قبضہ کر لیا جاتا ہے۔ اور قابض یعنی استعماری ملک کے سرمایہ دار مقبوضہ ملک جسے نوآبادی کہا جاتا ہے، سے برائے نام قیمت پر خام مال خریدتے ہیں۔ یہاں کے مزدوروں سے کم اُجرت پر کام لیتے ہیں۔ اور اپنی فالتو پیداوار اس ملک میں اونچے داموں فروخت کرتے اور زائد سرمایہ بلند ترین شرح سود پر قرض دیتے ہیں۔

نوآبادی یعنی مقبوضہ ملک کی بیرونی تجارت استعماری ملک کے قبضے میں ہوتی ہے۔ اس لئے نوآبادی کے غریب عوام استعماری ملک کے سرمایہ داروں کی مرضی ہی سے اپنی خام پیداوار فروخت کرتے ہیں اور قیمت بھی وہی ہوتی ہے جو خریدار مقرر کرتا ہے اسی طرح نوآبادی کے غریب عوام جب ضروریات زندگی کی چیزیں خریدتے ہیں۔ تو مجبور ہوتے ہیں کہ صرف استعماری ملک سے خریدیں اور وہی قیمت ادا کریں جس پر استعماری ملک کے سرمایہ دار راضی ہوں۔ نوآبادی میں چونکہ صنعت وحرفت نہیں ہوتی، اس طرح بیکاری عام ہوتی ہے۔ اور غریب عوام کاروبار کی تلاش میں ملک سے باہر جانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر استعماری ملک کے سرمایہ دار انہیں اپنے کارخانوں وغیرہ میں برائے نام اُجرت پر ملازم رکھ لیتے ہیں۔ نیز نوآبادی کے غریب عوام کو ضروریات زندگی کی خریداری کیلئے جب رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو وہ استعماری ملک کے سرمایہ دار ہی فراہم کرتے

ہیں جو اونچی شرح پہ سود لیتے ہیں۔ اس طرح نوآبادی کے غریب عوام اور یہاں کے برائے نام خود مختار انتظامیہ معاشی اعتبار سے استعماری ملک کے سرمایہ داروں کی غلام بن جاتی ہے۔ اور یہ غلامی ایسی ہوتی ہے جس سے لیبا اوقات سیاسی آزادی کے حاصل ہو جانے کے بعد بھی آزادی حاصل نہیں ہو سکتی۔

پاکستان کی مثال ۱۹۴۷ء سے پہلے ہمارا ملک برطانیہ کی نوآبادی تھا۔ اور برطانیہ ہمارے حق میں ایک استعماری ملک تھا۔ ہمارے ملک کی بیرونی تجارت برطانیہ کے قبضے میں تھی۔ ہم روئی پیدا کرتے تھے، برطانیہ یہ روئی برائے نام قیمت پہ خرید کر انگلینڈ لے جاتا تھا۔ اور جب ہمیں کپڑے کی ضرورت ہوتی تو اسی روئی کا بنا ہوا کپڑا ہمیں برطانیہ سے خریدنا پڑتا جس کی بہت زیادہ قیمت ادا کرنی پڑتی تھی۔ اس وقت ہمارے ملک میں کارخانے نہ تھے اور ہمارے لاکھوں نوجوان بے روزگاری کا شکار تھے۔ برطانوی سرمایہ دار ہمارے ملک میں پھیلی ہوئی عام بے روزگاری سے ناجائز فائدہ اٹھاکر ہمارے نوجوانوں کو انگلینڈ لے جاتے اور وہاں ان سے ذلیل کام لیکر برائے نام اجرت دیتے۔ مثلاً انہیں کارخانوں میں مزدور لگاتے۔ باربرداری کا کام کراتے۔ کانوں میں کام کرنے پر لگاتے۔ شہروں کی صفائی ڈاک کی تقسیم اور ڈرائیور وغیرہ کی حیثیت کے کام ان سے لیتے اور پھر ایک بڑی تعداد میں ہمارے بیکار نوجوانوں کو فوج میں بھرتی کرکے افریقہ اور دوسرے براعظموں میں لڑی جانے والی نوآبادیاتی جنگوں میں ان سے سپاہیوں کا کام لیتے جرمنی اور جاپان کی قاہر افواج کی گولیاں کھانے والے بیشتر ہمارے ہی بھائی بند تھے۔ جن کی غربت اور بیکاری کی مجبوریوں سے برطانوی سرمایہ داروں نے ناجائز فائدہ اٹھایا تھا۔ اس کے علاوہ برطانوی سرمایہ داروں نے اپنا فالتو سرمایہ ہمارے ملک کے نام قرض کے کھاتے میں ڈال دیا۔ اور اس طرح کروڑوں روپیہ سالانہ سود حاصل کرنے کی راہیں نکال لیں۔

۱۹۴۷ء میں ہم سیاسی طور پہ برطانوی استعمار سے آزاد ہو گئے تھے، لیکن اقتصادی اور معاشی اعتبار سے ہمیں آزادی نہیں مل سکی۔ چنانچہ ۱۹۵۰ء میں بھی ہماری یہ حالت تھی کہ مثال کے طور پہ جو روئی ہم جاپان یا روس وغیرہ ممالک کے پاس گیارہ روپے میں بیچ سکتے تھے وہ ہمیں مجبوراً برطانوی سرمایہ داروں کے ہاتھ صرف ایک روپیہ میں بیچنی پڑتی تھی۔ اسی طرح جو مشین یا دوا وغیرہ ہمیں جاپان یا روس وغیرہ ممالک سے ایک روپیہ میں مل سکتی تھی ہم مجبور تھے کہ وہ مشین یا دوا برطانیہ سے گیارہ روپے میں خریدیں۔ گویا ہمیں خرید اور فروخت دونوں صورتوں میں گیارہ گنا خسارہ برداشت کرکے برطانیہ کے سرمایہ داروں کو خوش رکھنا پڑتا تھا۔ اور سچ پوچھیں تو آج بھی ہم معاشی اعتبار سے آزاد نہیں ہیں، ہمیں جس خام مال کی روس اور چین میں زیادہ قیمت مل سکتی ہے وہ مال کم قیمت پہ ہم برطانیہ اور امریکہ کے ہاتھ فروخت

کرتے ہیں اور جو مصنوعات کم قیمت پر ہمیں روس اور چین وغیرہ ممالک سے مل سکتی ہیں، وہ زیادہ قیمت پر ہم برطانیہ اور امریکہ سے خریدتے ہیں۔ اسی طرح قرض کا معاملہ ہے۔ ہمیں چین اور روس وغیرہ ممالک سے بغیر سود یا کم شرح سود پہ قرض مل سکتا ہے۔ لیکن ہم مغربی بلاک سے اونچی شرح سود پہ قرض لیتے ہیں۔

امید ہے ان معروضات اور خاص کر پاکستان کی مثال سے استعمار کا مفہوم واضح ہو گیا ہوگا۔ ذیل کے نکات ذہن نشین فرمائیں۔

۱۔ استعمار سے مراد وہ نظام ہے جس میں طاقتور ملک کے سرمایہ دار کمزور ملکوں پہ قبضہ کر کے انہیں معاشی اعتبار سے لوٹتے ہیں۔

۲۔ جس ملک پر استعماری ملک قبضہ کر کے اسے لوٹتا ہے اسے نوآبادی کہا جاتا ہے۔

۳۔ نوآبادی سے استعماری ملک کم قیمت پہ خام مال خریدتا ہے۔ اور اپنی مصنوعات نوآبادی میں اونچے داموں فروخت کرتا ہے۔

۴۔ استعماری ملک نوآبادی سے کم اجرت پہ مزدور اور سپاہی حاصل کرتا ہے۔

۵۔ استعماری ملک کے سرمایہ دار اپنا فالتو سرمایہ نوآبادی کو اونچی شرح سود پہ قرض دیکر نفع کماتے ہیں۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ استعماری ملک کے سرمایہ دار اپنا فالتو سرمایہ نوآبادی میں، کاروبار پر لگاتے ہیں اسے سرمایہ کاری کہتے ہیں، جس طرح برطانوی سرمایہ داروں نے ہمارے ملک میں، ریلوے، نہروں اور چائے کے باغات پہ سرمایہ لگا رکھا تھا۔

استعمار کا فلسفہ | یہ تو واضح ہو چکا ہے کہ استعمار میں طاقتور ملک کے سرمایہ دار کمزور ممالک پہ فوج کشی کر کے انہیں اپنا محکوم بنا لیتے ہیں۔ جس طرح برطانیہ کے سرمایہ داروں نے پہلے ایک کمپنی کی صورت میں اور بعد میں براہ راست انگلینڈ کی شاہی حکومت کے ذریعہ ہمارے وطن عزیز پاکستان کو دو سو سال تک محکوم اور نوآبادی بنائے رکھا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ استعماری ملک کے سرمایہ دار تو ذاتی نفع اور لالچ کی خاطر یہ سب کچھ کرتے ہیں لیکن ان کے عوام انہیں اس بات سے کیوں نہیں روکتے کہ تم اپنے ذاتی مفاد کے لئے ملک کی افواج کو استعمال نہ کرو۔ کسی ملک کی حکومت جب فوج قائم کرتی ہے۔ اور فوج کے اخراجات کے لئے اپنے ملک کے عوام سے ٹیکس وصول کرتی ہے۔ تو انہیں بتاتی ہے کہ یہ فوج ملک کے تحفظ

اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے بھرتی کی جارہی ہے۔ اس کے بعد جب یہی فوج اپنے ملک کی سرحدوں سے ہزاروں میل دور ایک کمزور ملک پر حملہ کرتی ہے۔ تو عوام جن کے ٹیکس یعنی چندوں سے فوج کے اخراجات پورے ہو رہے ہوتے ہیں، انہیں اپنی حکومت سے یہ پوچھنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ کہ ہماری فوج وطن کی سرحدوں سے ہزاروں میل دور جو کاروائیاں کر رہی ہے۔ ان کا مقصد کیا ہے۔؟ نیز فوجی نوجوان بھی یہ سوال کر سکتے ہیں۔ کہ ہمیں وطن کی حفاظت کے لئے بھرتی کیا گیا تھا۔ اور اب وطن سے دور ایک کمزور ملک پر حملہ کرنے میں ہمیں کیوں استعمال کیا جارہا ہے۔؟

ٹیکس دہندہ عوام اور فوجی نوجوانوں کے اس معقول سوال کا جواب دینے کے لئے استعماری ملک کے سرمایہ داروں نے ایک فلسفہ اختراع کیا ہوا ہے، جسے استعمار کا فلسفہ کہا جا سکتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے:

استعماری ملک کے سرمایہ دار اپنے عوام کو یقین دلاتے ہیں کہ ہماری تہذیب ہماری قوم اور ہمارا مذہب دنیا میں سب سے اعلیٰ اور ارفع ہیں۔ نیز پسماندہ اور کمزور ممالک میں غیر مہذب وحشی بد مذہب اور گنوار لوگ بستے ہیں۔ جب عوام سرمایہ داروں کے اس جھوٹے پروپیگنڈے کا پوری طرح شکار ہو جاتے ہیں اور یقین کر لیتے ہیں کہ واقعی ہمارے ملک سرحدوں سے باہر کی دنیا تہذیب و تمدن سے عاری ہے تو سرمایہ دار ایک قدم آگے بڑھتے ہیں۔ اور اپنے عوام کو سمجھاتے ہیں کہ ہمارا قومی اور مذہبی فرض ہے۔ کہ ہم اپنی طرح دوسروں کو بھی مہذب شائستہ اور با اخلاق بنائیں، ظاہر ہے کہ یہ باتیں عوام کی فوری تائید حاصل کر لیتی ہیں۔ اور اس طرح سرمایہ داروں کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے اپنے وطن کی سرحدوں سے ہزاروں میل دور بسنے والی اقوام کے معاملات میں دخل اندازی کا اپنے ملک کے عوام کی طرف سے اختیار مل جاتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ یورپ کے تمام استعماری ملکوں نے مشرق و مغرب میں جہاں بھی نوآبادیاں قائم کیں ان کی ابتدا تہذیب شائستگی اخلاق اور مذہب کے نام پر ہوئی ہے۔ برصغیر پاک و ہند ہو یا جزائر شرق الہند، انڈونیشیا ہو، ہند چینی ہو یا افریقہ کے ممالک ہوں۔ ہر جگہ برطانیہ، فرانس، ہالینڈ جرمنی، پرتگال اور اسپین جیسے استعماری ملکوں کے پادری حضرت مسیح کے نام پر لوگوں کو مذہب اور اخلاق کی تعلیم دینے کے نام پر اور غیر مہذب اقوام کو مذہب اور شائستہ بنانے کے بہانے گئے۔ چند سالوں بعد کہیں تجارت اور کہیں تعلیم کے نام پر دوسرے ماہر پہنچے اور اس کے چند سال بعد پادریوں تاجروں اور معلموں کی حفاظت کے نام پر فوجی دستے بھیجے گئے اور رفتہ رفتہ فوج بڑھتی

گئی مقاصد بدلتے گئے اور ایک دن ایسا آپہنچا کہ استعمار ننگا ہو گیا۔ جو برصغیر میں معالج بن کر آئے تھے جو پادریوں اور تاجروں کے روپ میں آئے تھے انہوں نے مئی ۱۸۵۷ء دہلی کے خونی دروازے پر اس دیس کے آخری تاجدار کے پورے خاندان کو بیدردی سے قتل کر دیا اور بوڑھے بادشاہ کو عمر قید کی سزا دیکر ملک سے دور بھیج دیا۔ اسی طرح دوسرے استعماری ملکوں نے بھی کیا ہے۔ فرق صرف تاریخوں اور قتل و غارت کے اداب کا ہے۔

ہاں! تو بات یہ ہو رہی تھی کہ استعماری ملک کے سرمایہ دار کمزور ملکوں پہ فوج کشی کے لئے حیلے بہانے کر کے ایسے جواز پیدا کر لیتے ہیں جن سے ان کے اپنے ملک کے عوام مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اور فوجی جوان بھی استعمار کے مذموم مقاصد کے لئے جان دینے پہ تیار ہو جاتے ہیں۔

آج کی دنیا پہلے کی نسبت زیادہ باخبر ہے۔ نیز مذہب اور تہذیب کا تقدس بھی باقی نہیں رہا۔ اس لئے جدید استعمار کمزور ملکوں میں فوجی مداخلت کے جواز کے لئے نئے قسم کے بہانے تراشتا ہے۔ اس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

اٹلی | اٹلی ایک استعماری ملک تھا۔ اس نے طرابلس (لیبیا) میں کچھ لوگوں کو بسا دیا تھا اور بعض کو عیسائی بنا کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اس کے بعد ترکی پر الزام لگایا کہ طرابلس میں اٹلی کے باشندوں اور مقامی عیسائیوں پر ظلم ہو رہا ہے اور ترکی کی حکومت اس ظلم کی روک تھام کا بندوبست نہیں کرتی تاریخ شاہد ہے کہ ابھی ترکی نے اس جھوٹے الزام کا جواب بھی نہیں دیا تھا۔ کہ اٹلی کی فوجوں نے طرابلس پر قبضہ کر لیا تھا۔

فرانس | فرانس نے ہندچینی میں دین مسیح کی تبلیغ کے بہانے چند پادری بھیجے تھے جنہوں نے چند مقامیوں کو عیسائی بنا لیا تھا اور پھر ان پادریوں اور مقامی عیسائیوں کی حفاظت کے بہانے ہندچینی پہ باقاعدہ فوج کشی کی اور پورے ملک کو نوآبادی بنا لیا تھا۔

ایک استعماری دلیل | استعماری ملکوں کے سرمایہ دار کمزور ملکوں میں فوجی مداخلت کر کے انہیں نوآبادیوں میں تبدیل کر لینے کے جواز میں ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ بعض اقوام کو قدرت نے دوسروں پہ حکومت کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ قومی برتری کا فلسفہ نازی جرمنی کے لیڈر ہٹلر نے پیش کیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ جرمن قوم ہی خدا کی محبوب قوم ہے۔ اور اس قوم کا پیدائشی حق ہے کہ یہ دنیا بھر کی اقوام پہ حکومت کرے۔ ہٹلر نے قومی برتری کا تصور کچھ اس انداز میں پیش کیا تھا کہ جرمنی کے غریب مزدور بھی کمزور ملکوں پر جرمنی کے سرمایہ داروں کی برتری اور غلبہ کی حمایت کرنے

لگ گئے تھے۔

غرض استعمار کمزور ملکوں پر قبضہ کرنے کے لئے فوجی قوت استعمال کرتا ہے۔ اور اپنے اہل وطن سے جن کے چندوں سے فوج کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں، مختلف حیلوں بہانوں سے فوجی کارروائی کے اختیارات حاصل کر لیتا ہے۔ باقی رہی حکومت تو وہ سرمایہ داروں ہی کی مرضی کا آلہ ہوتی ہے۔ غریب عوام کو پہلے تو حکومت میں مداخلت کا حق ہی نہیں دیا جاتا اور جہاں کہیں انتخابات ہوتے ہیں وہاں عوام کو صرف اس بات کی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ ملک پر حکومت کرنے کے لئے سرمایہ داروں کے کس گروہ کو پسند کرتے ہیں۔ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ سرمایہ دار برائے نام چند پارٹیاں بنا لیتے ہیں اور پھر عوام سے پوچھتے ہیں کہ بتاؤ ان پارٹیوں میں سے کس پارٹی کو حکومت دی جائے۔ عوام جس پارٹی کے حق میں ہاتھ کھڑا کر دیتے ہیں وہ حکمران پارٹی بن جاتی ہے۔ اور دوسری پارٹیوں کے سرمایہ دار بھی اس پارٹی میں شامل ہو جاتے ہیں۔ عوام کم علمی کے باعث خیال کرتے ہیں کہ حکومت ان کی ہے۔ اور ان کی رائے سے بنی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ حکومت سرمایہ داروں کی ہوتی ہے اور عوام بیچارے مجبور ہوتے ہیں۔ کہ کسی ایک سرمایہ دار یا سرمایہ داروں کے گروہ کی تائید کریں۔

یہ تھا استعمار، اس کے مقاصد اور طریق کار۔ ہمارا عنوان جدید استعمار ہے۔ ہم نے جدید استعمار ہی کے خدوخال عزائم و مقاصد اور طریق کار پر گفتگو کا ارادہ کیا ہے۔ لیکن جب تک مطلق استعمار پر روشنی نہ ڈالی جاتی اس وقت تک جدید استعمار واضح نہیں ہوتا تھا اس لئے ہم نے پہلے مطلق استعمار کا بیان کیا ہے۔

جدید استعمار اسی استعمار کے کھنڈرات پر تعمیر ہوا ہے جس کی کسی قدر تفصیل اوپر بیان کی گئی ہے۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ اس استعمار کے زوال کے کیا اسباب تھے؟ اس کے بعد انشاء اللہ جدید استعمار پر بحث کی جائے گی۔

استعمار کا زوال دوسری عالمی جنگ (۱۹۳۹ تا ۱۹۴۵ء) سے پہلے ساری دنیا بدترین قسم کے استعمار کا شکار تھی مشرق میں جاپان مغرب میں برطانیہ فرانس جرمنی ہالینڈ پرتگال اور سپین وغیرہ استعماری ملک تھے باقی دنیا ان کی زر خرید غلام کی حیثیت رکھتی۔ نئی دنیا پر ریاستہائے متحدہ امریکہ کا قبضہ تھا کینیڈا برطانوی استعمار کا بازو تھا جس طرح مشرق بعید میں آسٹریلیا تھا۔
جاپان بھی استعماری ملک تھا، یہ چاہتا تھا کہ پورے مشرق میں نہ سہی، کم از کم مشرق بعید

میں اسکی برتری کو ضرور تسلیم کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے جاپان نے مشرق بعید میں مغربی استعمار کے خلاف باغیانہ خیالات کی حوصلہ افزائی کی جہاں کہیں مغرب کے خلاف تحریکیں اٹھیں جاپانیوں نے ان کا ساتھ دیا۔ چنانچہ انڈونیشیا میں ہالینڈ کے خلاف اور برما اور ہندوستان میں برطانیہ کے خلاف تحریکوں سے تعاون کیا آزاد ہند فوج سے جاپانیوں کا تعاون اس کی واضح مثال ہے۔

دوسری طرف مغرب کے عین مرکز میں نازی جرمنی تھا۔ اس نے دوسرے حریف استعماری ملکوں کے خلاف نوآبادیوں میں ابھرنے والی تحریکوں کا ساتھ دیا اور ساتھ ہی ساتھ مغربی حریفوں کی مخالفت اور ان کے مذموم عزائم کی پردہ دری کرتا رہا۔ ۱۹۳۹ء میں جنگ شروع ہوئی تو مشرق میں جاپان اور مغرب میں جرمنی کو شاندار فتوحات نصیب ہوئیں ان فتوحات کا باعث صرف جرمنی اور جاپان کی اعلیٰ فوجی صلاحیت ہی نہ تھی بلکہ مغربی استعمار سے تنگ ہوئے غریب عوام کا جذبہ بھی تھا۔ خود اپنے وطن کے ماضی پر نظر ڈالیں۔ یہاں کے غریب عوام جرمنی اور ہٹلر کا نام احترام سے لیتے تھے۔ اور جنگ کے دوران برطانیہ کے عزائم کی مذمت کرتے تھے۔ اس صورت حال نے مغربی استعمار کو نئی پالیسی (حکمت عملی) مرتب کرنے پر مجبور کر دیا۔ یہ نئی پالیسی ان دلائل کے خلاف تھی جن کے سہارے استعمار کا فلسفہ چل رہا تھا۔ پہلے جاپان اور جرمنی نے یہ کہنا شروع کیا کہ مغرب کے استعماری ممالک اپنی اپنی نوآبادیوں کے مقابلہ میں زیادہ مہذب یا شائستہ نہیں ہیں اور انہیں اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ کمزور ممالک پر اپنی برتری جتائیں بعد میں مغربی استعماری ممالک نے جنگ میں کامیابی سے مایوس ہوکر خود بھی اعتراف کر لیا کہ دنیا کی سب قومیں برابر ہیں۔ اور کسی کو کسی پر حکومت کا حق حاصل نہیں ان کا مقصد جرمنی اور جاپان کی قومی برتری کے تصور کو باطل ثابت کرنا تھا۔ غرض استعماری ممالک کی باہمی کشمکش نے ان تمام دلائل کی تردید کر دی جن کے سہارے استعمار کا فلسفہ قائم تھا۔

۱۹۴۵ء میں جنگ ختم ہوئی تو استعمار ممالک کا حال یہ تھا کہ مقبوضات اور نوآبادیوں کی حفاظت یا ان پر تسلط قائم رکھنا ان کے بس سے باہر ہو چکا تھا۔ ایک تو اس لئے کہ نوآبادیوں میں آزادی پسند منظم ہو چکے تھے اور دوسرے اس لئے کہ ان کی اپنی فوجی قوت مفلوج ہو چکی تھی۔ اس سلسلے میں انڈونیشیا کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ جنگ سے پہلے اس ملک پر ہالینڈ کا قبضہ تھا۔ جنگ کے دوران آزادی پسندوں نے جاپان کی مدد سے ہالینڈ کو ملک بدر کر دیا۔ نیز جرمنی نے ہالینڈ پر بھی قبضہ کر لیا تھا گویا ہالینڈ نام کا کوئی ملک تھا ہی نہیں جب ہالینڈ کی فوجیں انڈونیشیا کو خالی کر

گئیں تو جاپانیوں نے ان کی جگہ لینے کی کوشش کی لیکن جلد ہی جاپان بھی شکست کھا گیا۔ اور اس طرح مشرقِ بعید کا یہ عظیم ملک آزاد ہو گیا۔ جنگ کے بعد اتحادیوں کی مدد سے ہالینڈ کی سلطنت بحال ہوئی تو یہاں کے سرمایہ داروں نے انڈونیشیا پر پھر سے قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن انہیں کامیابی نہ ہو سکی۔ یہی حال ہند چینی کا تھا یہاں بھی جنگ کے دوران آزادی پسند غالب آ گئے تھے اور فرانس اپنی فوجیں نکال لے گیا تھا۔ لیکن جنگ کے بعد فرانس کے سرمایہ داروں کو پھر سے ہند چینی پر قبضہ کرنے کا خیال آیا لیکن انہیں کامیابی نہ ہو سکی۔

یہ تھے استعمار کے زوال کے اسباب جن کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ استعماری ممالک ایک دوسرے کے مخالف تھے۔

۲۔ جنگ کے دوران ان دلائل کی تردید ہو گئی جن کے سہارے استعمار کا فلسفہ قائم تھا۔

۳۔ جب استعماری ممالک جنگ میں الجھے ہوئے تھے اس وقت نوآبادیوں کے آزادی پسند منظم اور متحد ہو رہے تھے۔

۴۔ جنگ کے بعد استعماری ملکوں میں اتنی قوت نہ تھی کہ نوآبادیوں پر پھر سے قبضہ کر سکیں۔

۵۔ ہالینڈ نے انڈونیشیا اور فرانس نے ہند چینی پر دوبارہ قبضہ کرنے کی پوری پوری کوشش کی لیکن انہیں کامیابی نہ ہو سکی۔

استعمار کے زوال کا ایک زبردست سبب یہ بھی تھا کہ روس میں سوشلسٹ حکومت قائم ہو چکی تھی اس حکومت کا قائم ہو جانا استعماری طاقتوں کے خلاف جدوجہد کرنے والوں کے لئے ایک حوصلہ اور سہارا تھا۔ اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ سوشلزم کی عالمی تحریک نے بھی استعمار کے زوال کی رفتار کو تیز تر بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

دیانتداری اور خدمت ہمارا شعار ہے

ہم اپنے ہزاروں کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے

پستول مارکہ آٹا

پسند فرما کر ہماری حوصلہ افزائی کی ہے

ہمیشہ پستول مارکہ آٹا استعمال کیجئے جسے آپ بہتر پائیں گے

★ نوشہرہ فلور ملز جی۔ ٹی روڈ نوشہرہ۔ فون نمبر 126

پرانے استعمار کے زوال کے بعد جدید استعمار کا ظہور ہوا۔ اس سے پہلے کہ

جدید استعمار یہ بتایا جائے کہ جدید استعمار کیونکر پیدا ہوا ہے، یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جدید استعمار کی تعریف اور اسکا مفہوم واضح کر دیا جائے اور یہ بھی بتایا جائے کہ جدید استعمار کس اعتبار سے قدیم استعمار سے مختلف ہے۔

جدید استعمار سے مراد ریاستہائے متحدہ امریکہ کا وہ نظام ہے جس کے مطابق اس ملک کے سرمایہ دار اپنے ہی ملک کے عوام کو لوٹتے ہیں۔ یہ استعمار کی بدترین صورت ہے۔

قدیم استعمار میں ایک ملک کے سرمایہ دار دوسرے کمزور ملک کے عوام کو لوٹتے تھے۔ لیکن جدید استعمار میں استعماری ملک یعنی ریاستہائے متحدہ امریکہ کے سرمایہ دار اپنے ہی ملک کے عوام کو لوٹتے ہیں۔

قدیم استعمار میں لوٹ کے مراکز سرحدوں سے باہر ہوتے تھے اور جدید استعمار میں لوٹ کے مراکز اندرون ملک میں ہیں۔

قدیم استعمار دور دراز کے ملکوں کو نو آبادیوں میں تبدیل کر دیتا تھا اور جدید استعمار میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کے سرمایہ داروں نے اپنے ہی ملک کو نو آبادی بنالیا ہے۔

قدیم استعمار میں فوج سرحدوں سے دور نو آبادیوں میں عوام کو دبانے کے لئے استعمال کی جاتی تھی اور جدید استعمار میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کی فوج اپنے ہی ملک کے عوام کو دبا رہی ہے۔ اور انہیں لوٹ رہی ہے۔

میرا خیال ہے ان اشارات سے جدید استعمار کا تصور واضح ہو جاتا ہے۔ آئیے اب جدید استعمار کے فلسفے اور طریق کار کا جائزہ لیں۔

جدید استعمار کا فلسفہ استعمار کی کوئی صورت ہو فوج کا استعمال ضروری ہے اور فوج کے اخراجات عوام برداشت کرتے ہیں۔ اس لئے عوام کو اطمینان دلانا کہ فوج کا استعمال ظلم کے لئے نہیں ہو رہا، ضروری ہے نیز خود فوج کے لئے بھی اس امر کی وضاحت لازمی ہے کہ اس کے لڑنے کا مقصد کیا ہے۔ اس لئے عوام اور فوج کے اطمینان کیلئے جدید استعمار بھی قدیم استعمار کی طرح ایک فلسفہ پیش کرتا ہے، سوشلزم کی مخالفت اور جمہوریت کی حفاظت کا فلسفہ۔

جدید استعمار اپنے عوام اور فوجی جوانوں کو یقین دلاتا ہے کہ سوشلزم ایک عذاب ہے۔ اور اس سے آزادی اور جمہوریت کو زبردست خطرہ ہے اور اس خطرے کا مقابلہ کرنا

ضروری ہے۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ کی جو فوجیں ویت نام میں لڑ رہی ہیں ان کے اخراجات امریکی عوام برداشت کر رہے۔ اور عوام کو بتایا گیا ہے کہ ویت نام میں سوشلزم کا خطرہ ہے۔ اور اگر اس علاقے میں سوشلسٹ آگئے تو ریاستہائے متحدہ امریکہ کے وہ مفادات خطرے میں پڑ جائیں گے۔ جو مشرق بعید کے ممالک میں ہیں اور ان مفادات کو خطرہ لاحق ہو گیا تو ریاستہائے متحدہ امریکہ خطرے میں پڑ جائے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ویت نام میں سوشلزم کے خطرے کی روک تھام کی جائے اور اس مقصد کے لئے فوجی مداخلت ضروری ہے۔

ویت نام یا کسی دوسرے ملک میں فوجی مداخلت سے ریاستہائے متحدہ امریکہ کے سرمایہ داروں کا اصل مقصد اپنے ملک کے عوام کو لوٹ کر نفع اندوزی کی پیاس بجھانا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

دوسری عالمی جنگ سے پہلے ریاستہائے متحدہ امریکہ کے پاس فوجی ساز و سامان کی خاصی مقدار تھی۔ اور اگر جنگ نہ شروع ہوتی تو اس ملک کے وہ کارخانے بند ہو جاتے جن میں فوجی سامان تیار ہو رہا تھا۔ جنگ شروع ہو گئی تو اتحادیوں نے امریکی صنعت کاروں کو ان کی منہ مانگی قیمتیں دے کر ان سے فوجی سامان خریدنا شروع کر دیا۔ یورپ کی معیشت تباہ ہو چکی تھی، جرمنی فوجوں نے یورپ کے کم و بیش تمام صنعتی مراکز تباہ کر ڈالے تھے اور تمام تر اسلحہ اور دوسرا جنگی سامان ریاستہائے متحدہ امریکہ ہی سے آتا تھا۔ امریکی صنعت کاروں نے فوجی صنعت کو نفع بخش کاروبار سمجھ کر اس میں خوب سرمایہ لگایا۔ اور بے پناہ ترقی کی۔

۱۹۴۵ء میں جنگ بند ہو گئی اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کی فوجی مصنوعات کی مانگ گر گئی۔ اب اس ملک کے صنعت کار سرمایہ داروں کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ جنگ جاری رہے تاکہ ان کا اسلحہ اور فوجی سامان فروخت ہوتا رہے اس مقصد کے لئے جدید استعمار کا فلسفہ تراشا گیا اور پہلے کوریا میں پھر کیوبا اور ویت نام میں جنگ شروع کر دی گئی۔ یہ جنگ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی فوجیں لڑ رہی ہیں۔ ان فوجوں کے اخراجات ریاستہائے متحدہ امریکہ کے عوام برداشت کر رہے ہیں اور چند صنعت کار سرمایہ دار اس صورت حال سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور چند صنعت کار سرمایہ دار اس صورت حال سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ان کا مال بک رہا ہے اور کارخانے چل رہے ہیں۔

گویا ریاستہائے متحدہ امریکہ کی فوجیں ملک کی سرحدوں سے ہزاروں میل دور لڑ رہی ہیں اور جس ملک کو لوٹا جا رہا ہے وہ لڑنے والی فوجوں کا اپنا ہی وطن ہے۔ یہ ایک اور فرق ہے قدیم استعمار اور جدید استعمار میں۔ قدیم استعمار میں فوجیں جس ملک پر حملہ کرتی تھیں وہ نوآبادی بن جاتا تھا۔ اور وہاں کے عوام کو حملہ آور ملک کے سرمایہ دار لوٹا کرتے تھے۔ لیکن جدید استعمار میں حملہ کوریا یا ویت نام پر کیا جاتا ہے۔ اور لوٹے جانے والے ریاستہائے متحدہ امریکہ کے عوام ہیں۔

برطانیہ کا مشہور فلسفی برٹرینڈ رسل اپنی کتاب وار کرائمز ان ویت نام (WAR CRIMES IN VIETNAM) جس کا اردو ترجمہ ادارہ نگارشات لاہور نے شائع کیا ہے، میں لکھتا ہے:

"عیسائی مبلغوں کو ویت نام کے وحشیوں کی جوابی کارروائی سے بچانے کے بہانے فرانسیسی بحری جہاز ۱۸۴۰ء کے قریب ویت نام میں داخل ہوئے"۔

یہ عیسائی مبلغ کون تھے؟ رسل کہتا ہے:

"یہ ویت نام کے وحشیوں کو عیسائیت کے نور سے مالامال کرنے کے بہانے آئے تھے"۔

یہ عیسائی مبلغ ویت نام میں فرانس کی حمایت کرنے والا ایک طبقہ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ رسل لکھتا ہے:

"جو ویت نامی عیسائی ہو گئے تھے اور جو سفید فام انسان کے ایمان کی برتری کے آگے شعوری طور پر جھکتے تھے۔ فرانسیسیوں کے لئے نسبتاً زیادہ قابل اعتماد تھے"۔

دیکھا آپ نے کسطرح دین اور مذہب کے نام پر تہذیب اور تمدن کے بہانے اور محض اصلاحی اور خدمت خلق کے جذبے کا نام لیکر جو پادری ویت نام پہنچے، انہوں نے فرانس کی فوجوں کے لئے ویت نام میں مداخلت کا جواز پیدا کر دیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ ویت نام کے عوام میں فرانس کے لئے قابل اعتماد ایک گروہ بھی منظم کر دیا۔ یہ تھی قدیم استعمار کی ابتدائی صورت اور اس کا طریق کار۔

جدید استعمار جس کا آغاز دوسری عالمی جنگ میں ہوا ہے۔ اس کی ابتدائی صورت اور اس کا طریق کار کیا تھا؟ اس سلسلے میں رسل کہتا ہے:

۱۲ جنوری ۱۹۴۰ء کو امریکی صدر نے تجارتی رسالوں کے ناشروں اور مدیروں سے یوں خطاب کیا تھا: "جیسا کہ آپ کو علم ہے، برطانیہ کو اس جنگ میں

پیسے کی ضرورت ہے۔ اور وہ دنیا بھر میں بہت سی چیزوں مثلاً ٹرام گاڑیوں اور بجلی کی کمپنیوں کا مالک ہے۔ اب بات یوں ہے کہ اس جنگ کو جاری رکھنے میں ممکن ہے برطانیہ کو ان ملکیتوں کا قبضہ چھوڑنا پڑے اور شاید ہم اسکی جگہ لے سکیں۔ تا انتظام کر سکیں۔ یعنی انہیں بالآخر مقامی لوگوں کے قبضے دینے کے لئے مدد مہیا کر سکیں۔ یہ ایک انتہائی دلچسپ بات ہے اور ہمارے مستقبل کی نجات کے لئے بہت اہم بھی۔"

اس اقتباس سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ جدید استعمار نہ صرف یہ کہ قدیم استعمار کی جگہ قائم ہوا ہے۔ بلکہ جدید استعمار کے بانیوں نے قدیم استعمار کی جگہ لینے کا باقاعدہ پروگرام بنا رکھا تھا۔ برٹرینڈ رسل کا خیال ہے کہ جدید استعمار نے قدیم استعمار کی جگہ لینے کے بعد فوجی کارروائیوں اور لوٹ گھسوٹ کا وہی طریقہ اپنایا ہے۔ جو قدیم استعمار کا تھا۔ چنانچہ لکھتا ہے:

"یہ جنگ (ویت نام کی موجودہ جنگ) اس لئے لڑی جا رہی ہے کہ اس علاقے کی دولت پر امریکی سرمایہ داروں کے مستقل قبضے کی حفاظت کی جا سکے۔"

رسل اپنے اس خیال کی تائید میں امریکی اخبارات سے عبارتیں نقل کرتا ہے۔

"۱۲ فروری ۱۹۵۰ء کو نیویارک ٹائمز نے لکھا تھا کہ ہند چینی ایک ایسا تحفہ ہے جس کے لئے ایک بڑا جوا کھیلا جا سکتا ہے۔ شمال میں ٹین، ٹنگسٹن، مینگانیز، کوئلہ، عمارتی لکڑی، چاول، ربڑ، چائے، کالی مرچیں اور کھالیں ہیں جو برآمد کی جا سکتی ہیں۔ دوسری جنگ عظیم سے پہلے بھی ہند چینی ۳۰ کروڑ ڈالر نفع دیتا تھا۔"

پھر لکھتا ہے:

"ایک سال بعد امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ایک مشیر نے مندرجہ ذیل بات کہی تھی:

ہم نے (امریکہ نے) جنوب مشرقی ایشیا کے وسائل کو ابھی جزوی طور پر استعمال کیا ہے۔ تاہم جنوب مشرقی ایشیا دنیا بھر کے ربڑ کا ۹۰ فیصد، ٹین کا ۶۰ فیصد۔ اور ناریل وغیرہ کے تیل کا ۸۰ فیصد فراہم کرتا ہے۔ شکر، چائے، کافی، تمباکو،

پھل، مصالحے، گوند، پٹرول، خام لوہا اس علاقے میں بڑی مقدار میں موجود ہیں۔"

رسل مزید لکھتا ہے :

"۱۹۵۳ء میں جب فرانسیسی امریکی مدد کے سہارے ابھی ویت نام میں لڑ رہے تھے ۔ تو صدر آئزن ہاور نے بیان دیا تھا :

"آئیے! فرض کریں ہم ہند چینی کھو بیٹھتے ہیں ۔ اگر ہند چینی ہاتھ سے نکل جائے، تو ٹین اور ٹنگسٹن جس کی ہمیں اس قدر ضرورت ہے آنا بند ہو جائیں گے ۔ ہم اس خوفناک حادثے کو روکنے کے آسان اور سستے طریقے کی تلاش میں ہیں جس سے ہند چینی اور جنوب مشرقی ایشیا کی دولت اپنے حسب منشا حاصل کرنے کی قابلیت ہمارے ہاتھ سے نہ جاتی رہے ۔"

ان عبارتوں سے لارڈ برٹرینڈ رسل یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ امریکہ یعنی جدید استعمار ویت نام وغیرہ ممالک میں فوجی مداخلت جس مقصد کے لئے کر رہا ہے وہ وہی ہے جو قدیم استعمار کا تھا یعنی اس علاقے کی دولت سے فائدہ اٹھانا ۔ گویا امریکی سرمایہ دار ویت نام (جو ہند چینی کا ایک حصہ ہے) اور جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک کو سونے کے انڈے دینے والی مرغی تصور کرتے ہیں ۔ اور نہیں چاہتے کہ کسی طرح بھی یہ مرغی ان کے ہاتھ سے نکل جائے ۔

ہم نے اوپر کہا تھا کہ جدید استعمار کا مقصد کمزور ملکوں کو لوٹنا نہیں بلکہ ان میں فوج کشی کر کے اپنے ہی عوام کو لوٹنا ہے ۔ سچ پوچھیں تو لارڈ رسل نے جدید استعمار کے فلسفے کی صرف ایک دلیل پیش کی ہے ورنہ اصل مقصد وہی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے ۔ اس سلسلے میں ہمارے پاس جو شہادت ہے وہ رسل کے بیانات سے زیادہ معتبر ہے ۔ یہ شہادت جزائر غرب الہند امریکہ کی ریاست ڈومنکن کے سابق صدر "جان بوش" کی کتاب پینٹاگون ازم (PENTAGONISM) ہے ۔ اس کتاب کا مصنف جدید استعمار کا ہمسایہ بلکہ حریف ہے ۔ اس نے چشم دید حقائق پیش کئے ہیں اور بتایا ہے کہ :

جدید استعمار امریکہ کے بڑے بڑے سرمایہ داروں صنعت کاروں اور فوجی جرنیلوں پر مشتمل ہے ۔ یہ لوگ نفع اور نقصان میں ایک دوسرے کے ساتھی اور شریک ہیں سرمایہ دار سرمایہ دیتے ہیں، صنعت کار اسلحہ سازی کے کارخانے چلاتے ہیں اور فوجی جرنیل قومی خزانے سے قیمت دلا کر اسلحہ خرید لیتے ہیں، سرمایہ کاری اسلحہ

سازی اور اسلحہ کی خرید کا سلسلہ جاری رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ اسلحہ استعمال ہوتا رہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ویت نام یا دنیا کے کسی دوسرے علاقے میں جنگ جاری رہے۔ یہ بات رسل نے بھی تسلیم کی ہے کہ امریکہ ویت نام میں جنگ بڑھانا چاہتا ہے۔ چنانچہ یکم مارچ ۱۹۶۴ء کے اخبار ابزرور (OBSERVER) کے حوالے سے لکھتا ہے:

اصل مصیبت یہ ہے کہ جہاں ریاستہائے متحدہ امریکہ جنگ کو بڑھانا چاہتا ہے۔ وہاں ویت نامیوں کی خواہش صرف اتنی ہے کہ جنگ کو ختم کر دیا جائے۔"

(باقی آئندہ)

With Compliments Of

HUSEIN INDUSTRIES LIMITED

Habib Square, Bunder KARACHI-2.

Telephone : 228601 (3Lines) Cable : COMMODITY

MANAGING AGENTS:

HUSEIN EBRAHIM AGENCIES LIMITED

TEXTILE DIVISION

HUSEIN TEXTILE MILLS

LANDHI KARACHI

Telephone : 48007 (3 Lines)

STEEL DIVISION

HUSEIN STEEL TUBES

Office : 11 Ramjoy Mohajan Lane Khatunganj CHITTAGONG

Phone : 84867 Cable : HARMONY

FACTORY : 83 Fouzdarhat Industrial Estates CHITTAGONG.

———o———

HUSEIN SUGAR MILLS LIMITED

Head Office:

Habib Square, Bunder Road, KAKACHI—2

Phon : 228601 (3 Lines) Cable : COOMMODITY

MILLS

JARANWALA (DIST: LYALLPUR)

Telephone : 83

ایک جید عالم دین کی وفات

مولانا محمد نذیر صاحب حق صاحب چکیسری

۱۱؍رمضان المبارک ۱۳۹۱ء کو ضلع سوات اور کوہستانی علاقہ کے مشہور جید عالم وفاضل بزرگ شخصیت استاذ الاساتذہ مولانا محمد نذیر صاحب المعروف بہ صاحب حق صاحب چکیسر واصل بحق ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا مرحوم پہ ۱۹؍رمضان کو بعد از نماز ظہر تلاوت قرآن مجید کے دوران لیانک فالج کا اثر ہوا جو بڑھتے بڑھتے شام تک بے ہوشی پر منتج ہوا۔ مرحوم کو ہوش میں لانے کی تمام تدابیر اختیار کی گئیں مگر کارگر ثابت نہ ہوئیں۔ چونتیس گھنٹے کی بے ہوشی کے بعد اکیسویں روزے کی صبح صادق یعنی نور کے تڑکے سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل آسمان علم وفضل کا یہ چمکتا ہوا استارہ غروب ہوگیا۔

حضرت مولانا مرحوم کی عمر غالباً ایک سو برس کے قریب تھی۔ ساری زندگی علوم وفنون کی خدمت اور درس وتدریس میں صرف کی ہر جگہ مرجع علماء وطلباء رہے آپ نہ صرف سرحد بلکہ افغانستان وغیرہ کے بہت سے مشاہیر علماء کے استاد تھے۔ دار العلوم حقانیہ کے بانی وشیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق، مدظلہ، نے بھی زمانہ قیام طالب العلمی دیوبند سے قبل چند ماہ تک ملاحسن نامی کتاب میں کچھ اسباق آپ سے پڑھے جب کہ آپ اس وقت موضع گوجر گڑھی میں مقیم تھے۔

مرحوم زہد وریاضت تقوی اور سادگی کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ سلسلہ طریقت میں نقشبندیہ کے مشہور بزرگ مولانا عبد المالک صدیقی مدظلہ، کے خلیفہ تھے۔ آپ نے اپنے آبائی وطن چکیسر (سوات) کے علاوہ مختلف مقامات پر تدریس کی۔

نیز دار العلوم اسلامیہ سیدو شریف سوات میں ۸ اسال مدرسہ نعمانیہ اتمانزئی چارسدہ میں ایک ایک سال دار العلوم اسلامیہ شیر گڑھ میں ایک سال مدرسہ اسلامیہ عالیہ پیر بابا بونیر میں چند مہینے تدریس کے اعلیٰ مناصب پر فائز رہے۔ عمر کے آخری دو سال گھر میں گذارے اس دوران اپنے گاؤں میں ایک مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی جو اس وقت ان کے بڑے صاحبزادہ مولانا عنایت اللہ صاحب کے زیر اہتمام چل رہا ہے۔ حضرت مرحوم کی نماز جنازہ ۲۱؍رمضان کو تین بجے حضرت کے فرزند مولانا عنایت اللہ نے پڑھائی۔ مسلمانوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی اور یوں یہ عظیم علمی شخصیت جو گمنامی اور قناعت پسند طبیعت کی مالک تھی پون صدی تک علم اور دین کی اشاعت کے بعد دنیا سے روپوش ہوگئی۔ آپ نے اپنے پیچھے دو صاحبزادگان مولانا عنایت اللہ صاحب ومولانا کفایت اللہ صاحب چھوڑے۔ ادارہ الحق اور دار العلوم اس علمی سانحہ میں تمام اہل علم اور پسماندگان سے تعزیت کرتے ہوئے مولانا مرحوم کے رفع درجات کا متمنی ہے (سمیع الحق)

اختر راہی ایم اے

یادِ رفتگاں

مولانا مہر

"تحریکِ مجاہدین" کا مایہ ناز مورخ ، با اصول صحافت کا علمبردار ، مولانا آزاد ، ظفر علی خان اور عبدالمجید سالک کا رفیقِ طریق ، غالبیات کا ماہر ، کلامِ اقبال کا شارح اور اردو ادب کا نقاد ، تحریکِ آزادی کا خاموش اور ہر لحظہ مقصد پہ نظر رکھنے والا سپاہی ، مشرقی وضعداری کا مجسمہ ، خلوص کا پیکر ، سادگی کا نمونہ ، دردِ دل صفحۂ قرطاس پر نقش کرنے والا بے باک قلمکار ——

—— یہ تھے مولانا غلام رسول مہر ! جو ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو دنیا کے تمام علائق سے رشتہ توڑ کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے (انا للہ وانا الیہ راجعون) ہزاروں دل غمگین اور آنکھیں پرنم کر گئے مگر موت سے کسے رستگاری ہے۔

آدمی بچ کر کہاں جائے قضا کے قہر سے ۔۔۔ آج وہ اٹھا ہے ، کل اٹھ جائیں گے ہم دہر سے
مہر کا جانا مقدر تھا ، مگر وہ کیا گیا ۔۔۔ وضع داری کا جنازہ اٹھ گیا اس شہر سے

مولانا مہر مئی ۱۸۹۵ء میں ضلع جالندھر کے ایک چھوٹے سے گاؤں "پھول پور" میں پیدا ہوئے یہ گاؤں جالندھر سے چار پانچ میل جنوب میں واقع ہے۔ وہ خاندان میں پہلوٹھے تھے۔ ان کے والدِ بزرگوار محمد علی خان کی خواہش تھی کہ اپنے فرزند کو اعلیٰ تعلیم کے لئے ولایت بھیجیں گے۔ مگر قدرت کا قلم کچھ اور ہی لکھ چکا تھا۔ مولانا مہر نے زندگی کی گیارہ بہاریں بھی نہ دیکھی تھیں کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والد کے انتقال کے بعد والدہ اور دادی صاحبہ نے مرحوم کی خواہش کے مطابق مہر کو اعلیٰ تعلیم دلائی۔ مولانا مہر اکثر فخر سے کہا کرتے تھے کہ "میں جو کچھ ہوں اس میں میری والدہ مرحومہ کا بڑا حصہ ہے۔"

تعلیم کا آغاز ایک دیہاتی مدرسے سے ہوا۔ ۱۹۱۰ء میں مشن ہائی سکول جالندھر سے میٹرک

پاس کیا۔ حصولِ تعلیم کا شوق لاہور لے آیا۔ ۱۹۱۵ء میں اسلامیہ کالج سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ کالج میں مولانا اصغر علی روحی جیسے علماء سے فیض پایا۔

بی۔ اے کرنے کے بعد ان کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ انگریزی حکومت کی ملازمت اختیار کر لیتے یا کوئی آزادانہ کام اختیار کرتے۔ اہلِ خاندان کا مطمحِ نظر سرکاری ملازمت تھا۔ لیکن بی۔ اے کے آخری سال ہی ان کا ارادہ کوئی آزاد پیشہ اختیار کرنے کا تھا۔ اس عرصے میں مولانا ابوالکلام آزاد کے ہفت روزہ "الہلال" نے انہیں متاثر کیا اور صحافت کی پُرخار وادی میں قدم رکھنے کا فیصلہ کیا۔ ان کی صحافت کے بارے میں غالبؔ کی زبان میں کہا جا سکتا ہے ؎

ما نہ بودیم بدیں مرتبہ راضی غالبؔ
شعر خود خواہشِ آں کرد کہ گردد فنِ ما را

پہلی عالمگیر جنگ زور شور سے جاری تھی اور کوئی اخبار جاری کرنے کے لئے حالات موزوں نہ تھے۔ لہٰذا کسی مسلم ریاست کی ملازمت اختیار کرنے کا پروگرام بنایا۔ اُن کا خیال تھا کہ یہ علاقے انگریزی تسلّط سے آزاد ہیں اور ان علاقوں میں آزادیٔ ضمیر پر کوئی آنچ نہ آئے گی۔ مگر تجربے کے بعد انہیں معلوم ہُوا کہ ان ریاستوں کی اخلاقی اور سیاسی حالت انگریزی زیرِ تسلّط علاقوں سے بھی گئی گزری ہے۔ تاہم حیدر آباد دکن کی ایک جاگیر میں بطور انسپکٹر تعلیمات ملازم ہو گئے۔

مولانا آزادؔ کے افکار و خیالات ان پر اس قدر حاوی تھے کہ انہیں غالبؔ اور دوسرے شعراء کے کلام کی طرح مولانا آزاد کے مضامین و مقالات بھی لفظاً لفظاً یاد تھے۔ مولانا آزاد نے "الہلال" کی بندش (نومبر ۱۹۱۴ء) کے بعد "البلاغ" جاری کیا۔ تجدید و اصلاح کے لئے "حزب اللہ" کو مرتب و منظم کیا اور "حزب اللہ" کی تنظیمی امور کے لئے "دارالارشاد" قائم کیا۔

مولانا مہر "حزب اللہ" کے رُکن تھے۔ جب پہلی جنگِ عظیم کے دوران ۲۳ر مارچ ۱۹۱۶ء کو مولانا آزاد کو بنگال سے اخراج کا حکم ملا اور وہ کلکتہ چھوڑ کر رانچی (بہار) چلے گئے اور وہیں نظر بند کر دیئے گئے۔ آخر ۱۹۲۰ء میں رہا ہوئے۔ اس عرصے میں ان کے جملہ کاغذات پر قبضہ کر لیا گیا ان ہی کاغذات میں "حزب اللہ" کے رجسٹر تھے۔ جن میں ارکان کے نام اور دیگر کوائف درج تھے۔ چنانچہ ہر صوبے کی خفیہ پولیس نے ان لوگوں کا تعاقب شروع کر دیا۔ مولانا مہر بھی خفیہ پولیس کی نظر میں آ گئے۔

اس عرصے میں مولانا نے ترکِ ملازمت کر کے اخبار یا رسالہ جاری کرنے کا پروگرام بنایا لیکن خفیہ پولیس کی برکات کی بدولت اجازت نامہ نہ مل سکا۔ حالات نہایت تیزی سے ہیجان انگیز

ہو رہے تھے۔ جنگِ عظیم کے خاتمے پر اتحادیوں نے خلافتِ عثمانیہ کے بارے میں دل آزار طرزِ عمل اختیار کیا اور برصغیر میں تحریکِ خلافت کا آغاز ہوا۔ ساتھ ہی تحریکِ عدمِ تعاون چل نکلی۔ مولانا جالندھر میں سیاسی کاموں میں لگ گئے۔ وہ اخبار جاری کرنے پر تلے بیٹھے تھے مگر احباب کا مشورہ تھا کہ کامیاب اخبار کے لئے تجربہ ضروری ہے۔ چنانچہ نومبر ۱۹۲۱ء میں "زمیندار" کے حلقۂ ادارت میں شامل ہوئے۔ ان کے عزیز یہ خطرناک مشغلہ جاری رکھنے پر مزاحم ہوئے اور مجبوراً "زمیندار" سے وقتی طور پر علیحدہ ہونا پڑا۔ چند روز کے بعد "زمیندار" سے حکومت نے دو ہزار روپے کی ضمانت طلب کی، اور اخبار پندرہ بیس روز کیلئے بند ہو گیا۔ زرِ ضمانت داخل کرنے پر دوبارہ اجرا ہوا تو اوائل فروری ۱۹۲۲ء میں مولانا دوبارہ ادارۂ تحریر میں شامل ہو گئے۔ عبدالمجید سالک، مولانا ظفر علی خان اور اختر علی خان تینوں جیل میں تھے۔ لہٰذا تمام ذمہ داری مولانا مہر کے کاندھوں پر تھی۔ ۱۹۲۷ء تک "زمیندار" میں کام کرتے رہے۔ مگر آخر میں انتظامی خرابیوں کی بناء پر سالک اور مہر دونوں استعفیٰ دیکر الگ ہو گئے۔

مہر صاحب نے اخبار سے علیحدگی کے بعد علمی مشاغل اختیار کرنے کا پروگرام بنایا۔ مگر "زمیندار" کے دوسرے پندرہ بیس کارکنوں کے استعفیٰ دینے سے نئے اخبار کے اجرا کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اخبار کا نام تجویز نہیں ہوا تھا کہ دونوں مدیران معمول کے مطابق اقبالؒ سے ملنے گئے۔ انہوں نے ازراہ نوازش اپنی نظم سنائی جس کا آغاز یہ ہے ؎

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب

از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقاں خراب

انقلاب، انقلاب، اے انقلاب

اس نظم سے اخبار کا نام "انقلاب" تجویز ہوا اور ۲ اپریل ۱۹۲۷ء کے پہلے پرچے کے صفحۂ اوّل پر یہ نظم شائع ہوئی۔

مولانا مہر نے جس زمانے میں وادیٔ صحافت میں قدم رکھا تھا، بقول ظفر علی خان ؎

قلم ضبط، زباں ضبط، فغاں ضبط

ایسے بھی ہوں گے کہیں ساماں ضبط

کا منظر تھا۔ مگر انہوں نے وادیٔ پرخار میں قدم رکھ ہی دیا۔ صحافت میں سچی بات کہنا ضروری ہے۔ چاہے اس کے لئے قید و بند کی صعوبتیں ہی کیوں نہ برداشت کرنا پڑیں۔ مولانا مسلمانوں کی مادی خوشحالی اور آزادی دیکھنے کے علاوہ چاہتے تھے کہ تمام عالمِ اسلام میں محبت و مروّت کے رشتے قائم ہو

جائیں۔ مولانا پختہ یقین رکھتے تھے کہ اسلام ہی وہ عالمگیر تحریک ہے جو کائنات کو ایک نقطے پر جمع کر سکتی ہے۔ "انقلاب" کے فائل گواہ ہیں کہ مولانا نے اس مقصد کے لئے بھرپور کام کیا۔ ترک موالات کے دور میں جذباتی اور ہیجان انگیز مضامین و مقالات کا عام رواج ہو چکا تھا۔ ان کی جگہ ٹھوس قومی اور ملکی مباحث کی طرح "انقلاب" ہی نے ڈالی تھی۔ اور "انقلاب" کی آواز کو خاصی پذیرائی حاصل ہوئی تھی۔

"انقلاب" قیام پاکستان کے دو سال بعد تک جاری رہا۔ "انقلاب" کی رحلت کے بعد مولانا نے تحقیق و تاریخ کے میدان کا رخ کیا اور حقیقت یہ ہے کہ اس میدان میں ان کے راہوار قلم کی جولانیاں اور ترک تازیاں صحافت سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ جو ان کے نام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ کر گئی ہیں۔

انہوں نے چودہ سال کی مسلسل دماغ سوزی اور جگر کاری کے بعد سید احمد شہیدؒ اور جماعت مجاہدین کی مفصل تاریخ قلمبند کی۔ جو کم و بیش اڑھائی ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ "سرگزشت مجاہدین" جو اس سلسلہ کی تیسری کڑی ہے۔ اس کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"بے شک محنت بڑی ہی ہمہ گیر اور مشقت بہ درجہ غایت صبر آزما تھی۔ تاہم اس کی حلاوت و دل پذیری کا یہ عالم تھا کہ ذوق و وجدان اب تک اسی لذت و سرور کی موجوں میں ڈوبے ہیں۔"

تحریک مجاہدین کے بعد مولانا نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو موضوع بنایا اور دو جلدوں میں اس تحریک پر روشنی ڈالی۔ ان مجاہدین کے کارناموں کو صفحۂ قرطاس پر ایک بار پھر ابھار دیا، جنہیں گردش زمانہ کے طفیل مسلمان بھلا بیٹھے تھے۔

مولانا نے بلا مبالغہ سینکڑوں مضامین لکھے جو نصف صدی کے اخبارات و رسائل میں منتشر ہیں۔ آخری دنوں میں اپنے ان مضامین کو یکجا کرنے کے خیال سے مختلف موضوعات پر مضامین چن رہے تھے۔ آزادؔ اقبالؔ اور غالبؔ سے متعلق تحریریں غالباً یکجا کر لی تھیں اور مزید کام باقی تھا۔

مولانا آخر دم تک قلم سے کام لیتے رہے۔ تحدیث نعمت کے طور پر کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے کام کے لئے پیدا کیا اور کام لیا۔ ذاتی طور پر مولانا بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ لوگوں کے ڈر سے اپنی رائے چھپانا غلط ہے۔ ان کے سیاسی رجحانات سے اختلاف رکھنے والے بھی ان کی یکساں عزت و احترام کرتے تھے۔ ان کی وفات سے علم و ادب کی محفلوں کا ایک چراغ گم ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے۔ آمین۔

قسط ۲

پروفیسر شاہد تسنیم ایم۔اے

مرزا قادیانی اور قادیانیت

ایک سیاسی محاسبہ اور جائزہ

سامراج نوازی اور ملّت فروشی کی جھلکیاں

اب ہم مرزا صاحب کی سامراج نواز اسلام دشمن پالیسی اور دینی رہنماؤں کے نقطۂ نظر پر اجمالی نگاہ ڈالتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوگا کہ مرزا صاحب دنیا بھر کے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے سامراج کی آہنی گرفت میں دینا چاہتا تھا اور دیگر اکابر آئینی جدوجہد سے آزادی کے خواہاں تھے۔ مرزا صاحب کی کارستانی ذاتی مفاد، شخصی وجاہت اور نمود پسندی کے لئے تھی اور یہ لوگ قومی ہمدرد تھے اس ضمن میں ہم مرزا صاحب کی امتیازی خصوصیات گنواتے ہیں:

۱۔ مرزا صاحب نے برطانوی سامراج کی خوشنودی کے لئے دین اور ضمیر کو داؤ پر لگایا۔

۲۔ مرزا صاحب نے انگریز کی نہایت ہی گھٹیا الفاظ میں خوشامد کی اور بہت نچلی سطح پر اس کے حق میں پروپیگنڈا کیا۔ انہوں نے کاسہ لیسی اور حاشیہ برداری کی جو ذلیل مثال قائم کی اس پر انہیں فخر رہا، ان کا دعویٰ تھا کہ برطانوی گماشتوں کے لئے جو خدمات انہوں نے انجام دی ہیں وہ کوئی اور نہیں دے سکتا۔ اس خدمت کے مقابلے میں وہ اپنے والد غلام مرتضےٰ ۱۸۵۷ء کے شہداء کے خون سے ہاتھ رنگنے کے طریقے اور اپنے خانوادہ کے حریت پسندوں کی لاشوں کو روندنے کے کارناموں کو ہیچ سمجھتے ہیں۔

۳۔ مرزا صاحب نے برطانیہ کے سیاسی مفادات کے تحفظ کے لئے مسلمانوں سے موقع پرست اور غدار چننے اور باقاعدہ ایک تحریک اور ایک ایسے ادارے کی بنیاد رکھی جس کا کام انگریز کی سیاسی دھاندلیوں اور مسلم کش پالیسیوں کی حمایت کرنا تھا۔ اور جس کا خمیر ہی ملّت فروشی اور استعمار نوازی سے اٹھایا گیا تھا۔

۴۔ مرزا صاحب نے مسلمانوں کی ازلی غلامی اور مسلسل محکومی کے لئے خدا کی وحی کی سند مہیا کی انگریزی

کارندوں کی اندھادھند اطاعت کے لئے خدا اور رسولؐ کے نام کی آڑلی۔ ان کے خدا نے انہیں جتنے الہامات، کشوف، رویاء اور خوابوں سے نوازا ان میں سے ایک بھی انگریز کے سیاسی مفاد اور ان کی مطلق حاکمیت کے خلاف نہیں ـــــ سامراج کی زہرہ گداز چیرہ دستیاں اور رب قادیان کی خاموشی معنی خیز دکھائی دیتی ہے۔

۵۔ مرزا صاحب نے اپنے الہامات سے جہاں مسلمانوں کی عملی قوت کو معطل کرنے کے جتن کئے اور انہیں سیاسی جدوجہد سے روکا وہاں انہوں نے انگریز کو کھلی چھٹی دے دی کہ وہ من مانی کاروائیاں کرے۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ انہوں نے انگریز کے ان سیاہ کارناموں کو جن کو حقیقت پسند یورپین بھی برا کہتے ہیں۔ اس خوبی سے پیش کیا جیسے وہ بڑے احسانات ہیں اور کبھی بھی تاریک گوشوں کی نقاب کشائی نہ کی۔ شیخ کلیسا نواز نے امن کا ڈھنڈورا پیٹ کر اسلام کا محاسبہ کیا۔ لیکن یورپ سے قطعاً درگزر کر گئے۔

۶۔ مرزا صاحب نے اسلام کے سیاسی مستقبل کو تو تاریک بنا ہی ڈالا تھا۔ معاشی اور اخلاقی پہلو کا بھی ستیاناس کر کے رکھ دیا۔ اسلام کو ایک نظریۂ حیات کی بجائے چند رسومات اور مباحث کا پلندہ بنا ڈالنے کی مذموم سازش کی۔ قرآنی وحی میں پنجابی عربی کی پیوندکاری کی، انبیاء کی عظمت کو خاک میں ملانے کے لئے نہ صرف خود نبی بنے بلکہ نبوت کی فیکٹری کھلوا دی، مسیح موعود کا دعویٰ کر کے جہاد کی کلیتاً تنسیخ کر دی، جہاد کے قرآنی فلسفے کے برعکس اپنی طرف سے جہاد کا ایک تصوّر وضع کر کے اس بنیادی رکن کو بدنام کیا، اسلام کے دینی ورثہ کو تہس نہس کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام کے خلاف شر انگیز اور گندا لٹریچر شائع کرانے کے لئے دیگر مذاہب کے فلسفوں پر اوچھے حملے کئے۔ محمدی بیگم سکینڈل کے نتیجہ میں جہاں پادریوں اور آریوں نے مرزا صاحب کی ذات پر حملے کئے وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے خلاف بھی دریدہ دہنی کا باب کھولا۔

۷۔ مرزا صاحب نے کھلا برطانوی امپیریلزم کی بالادستی کے لئے راہ ہموار کی خصوصاً اسلامی ممالک کو درس محکومی دیا۔ برطانوی گماشتوں کے ذریعے ہزارہا روپیہ کا لٹریچر مصر، شام، مکہ، مدینہ، کابل، روم اور دیگر اسلامی ممالک میں بھجوایا اس میں انگریز کے خلاف لڑنے کی ممانعت اور ان کی سیاسی حاکمیت کو تسلیم کرنے کی پرزور اپیل تھی حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب عرب ممالک یورپی ریشہ دوانیوں اور سیاسی چیرہ دستیوں کا شکار ہو چکے تھے اور موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ حد تو یہ ہے کہ قادیان میں بیرون پروپیگنڈا کے لئے ایک خفیہ مرکز قائم کیا اور "بعض شرلیف

عربوں "کو تیار کر کے اسلامی ممالک میں روانہ کیا تاکہ وہ برطانوی سامراج کو قدم جمانے کا موقع دیں۔
علمائے کرام ذہنی طور پہ انگریز کی بالادستی کو برداشت نہ کر سکتے تھے اس لئے وہ علماء جن کے زیادہ متشددانہ خیالات تھے۔ وہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور دیگر ولی اللہ مکتبؒ کے متبع میں۔ ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے تھے ان علماء کے خلاف جاسوسی اور مخبری کے لئے مرزا صاحب نے جمعہ کی تعطیل کا شوشہ چھوڑا تاکہ علماء کرام اور حریت پسندوں کی اندر ہی اندر پھیلنے والی تحریک کو سبوتاژ کیا جائے۔ اس غرض کے لئے انہوں نے ایک اشتہار شائع کروا کر برطانوی افسران کے پاس بھیجا جس میں حکومت کو مشورہ دیتے ہیں:

"بعض دوسرے نالائق نام کے مسلمان جن کی تعداد قلیل ہے اس ملک برٹش انڈیا کو دارالحرب قرار دے کر اپنے خود تراشیدہ خیالات کی رو سے جمعہ کی فرضیت کے منکر ہیں۔ کیونکہ ان کا گمان ہے کہ برٹش انڈیا دارالحرب ہے اور دارالحرب میں جمعہ فرض نہیں رہتا۔ پس کچھ شک نہیں کہ جمعہ کی تعطیل سے ایسے بدباطن کمال صفائی سے شناخت کئے جائیں گے، کیونکہ اگر باوجود تعطیل کے پھر بھی وہ جمعہ کی نمازوں میں حاضر نہ ہوئے تو یہ بات کھل جائے گی کہ درحقیقت وہ نالائق اس گورنمنٹ کے ملک کو دارالحرب ہی قرار دیتے ہیں۔ تبھی تو جمعہ کی پابندی سے عمداً گریز کرتے ہیں۔ اس صورت میں یہ مبارک دن نہ صرف مسلمانوں کی عبادات خاصہ کا ایک دن ہوگا۔ بلکہ گورنمنٹ کے لئے ایک سچے مخبر کا کام دے گا۔ اور ایک معیار کی طرح کھرے اور کھوٹے میں فرق کر کے دکھلاتا رہے گا[1]"

قادیانی کسی بھی مسلمان عالم کا نام بتائیں جو اس غداری کا مرتکب ہوا ہو اور جس نے انگریزوں کے کان میں اس شرعی مسئلے کو ڈالا ہو کہ دارالحرب میں جمعہ فرض نہیں ہوتا۔ بات یہاں تک ہی ختم نہیں ہوتی مرزا صاحب نے اپنے دوسرے اشتہار "قابل توجہ گورنمنٹ" میں صاف طور پر کہا:

"چونکہ قرین مصلحت ہے کہ سرکار انگریزی کی خیر خواہی کے لئے ایسے نافہم مسلمانوں کے نام بھی نقشہ جات میں درج کئے جائیں جو درپردہ اپنے دلوں میں برٹش انڈیا کو دارالحرب قرار دیتے ہیں اور ایک چھپی ہوئی بغاوت کو اپنے دلوں میں رکھ کر اس اندرونی بیماری کی وجہ سے فرضیت جمعہ سے منکر ہو کر اس کی تعطیل سے گریز کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ نقشہ اس غرض کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ کہ تاکہ اس میں ان ناحق شناس لوگوں کے نام محفوظ رہیں جو ایسی باغیانہ سرشت کے آدمی ہیں۔ اگرچہ

---

[1] تبلیغ رسالت جلد پنجم مجموعہ اشتہارات مرزا قادیانی مؤلفہ قاسم علی قادیانی۔ فاروق پریس قادیان ۱۹۲۲ء ص

گورنمنٹ کی خوش قسمتی ہے کہ برٹش انڈیا میں مسلمانوں میں ایسے لوگ معلوم ہو سکتے ہیں جن کے نہایت مخفی ارادے گورنمنٹ کے خلاف ہیں اس لئے ہم نے اپنی محسن گورنمنٹ کی پولیٹکل خیر خواہی کی نیت سے اس مبارک تقریب پر یہ چاہا کہ جہاں تک ممکن ہو ان شریر لوگوں کے نام ضبط کئے جائیں ——— لیکن ہم گورنمنٹ میں بادب اطلاع کرتے ہیں کہ ایسے نقشے ایک پولیٹکل راز کی طرح اس وقت تک ہمارے پاس محفوظ رہیں گے۔ جب تک گورنمنٹ ہم سے طلب کرے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ ہماری گورنمنٹ حکیم مزاج بھی ان نقشوں کو ایک مکمل راز کی طرح اپنے کسی دفتر میں محفوظ رکھے گی اور بالفعل یہ نقشے جن میں ایسے لوگوں کے نام درج ہیں گورنمنٹ کو نہیں بھیجے جائیں گے، صرف اطلاع دہی کے طور پر ان میں سے ایک سادہ نقشہ چھپا ہوا جس پر کوئی نام درج نہیں فقط یہی مضمون (نام پتہ علاقہ وغیرہ) درج ہے براہ درخواست بھیجا جاتا ہے، ایسے لوگوں کے نام معہ پتہ و نشان یہ ہیں۔" (تبلیغ رسالت جلد پنجم۔ اشتہار قابل توجہ گورنمنٹ ص۱۱) مرزا صاحب نے جمعہ کی تعطیل کے مسئلے کی آڑ میں ان کی جاسوسی کے لئے اپنی خدمات پیش کیں اور حکومت کی سیاسی خیر خواہی کے لئے ملّت فروشی کو اپنا شعار بنایا۔ دوسرے کسی مسلمان عالم یا رہنما نے اس دیدہ دلیری سے ایسی حرکت کرنے کی جرأت شاید ہی کی ہو۔ دوسرے ہم نے عرض کیا کہ مسلمان زعما و سیاسی جد و جہد اور مسلمانوں کے حقوق کے حصول کے لئے کوشاں تھے۔ اور مرزا صاحب اس کو سبوتاژ کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ اس کی مثال انجمن اسلامیہ لاہور کے اس میمورنڈم سے لگائی جا سکتی ہے۔ جو انہوں نے مختلف ہندوستان کے مشاہیر کو روانہ کیا تاکہ مسلمانوں کی تعلیمی ترقی ملازمت اور اردو زبان کی ترویج کے لئے مسلمانوں کی طرف سے مطالبہ پیش کیا جائے۔ مرزا صاحب نے مسلمانوں کے ان مطالبات کو پس پشت ڈال کر اس بات پر زور دیا کہ گورنمنٹ کے دل میں نقش وفاداری جمانا چاہیئے اور انجمن اسلامیہ لاہور و کلکتہ و بمبئی (علماء کرام سے ایسے فتوے حاصل کرے جن میں) مربی و محسن سلطنت انگلشیہ کے خلاف جہاد کرنے کی صاف ممانعت ہو۔ ان کو خطوط بھیج کر ان کی مہریں لگوا کر مکتوبات علماء ہند کے نام سے پھیلایا جائے۔" (اسلامی انجمن کی خدمت میں التماس ضروری۔ براہین احمدیہ حصہ سوم مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی مطبع سفیر ہند پریس امرتسر)

اس روش کا سر سیّد اور علی گڑھ سکول کے اکابر کی مساعی سے موازنہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ کہ وہ مسلمانوں کی تعلیم ان کی ملازمت اور اردو زبان کی ترویج میں ہمہ تن مصروف رہے اور مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ نمائندگی دینے کے مطالبات پیش کرتے رہے اور مسیح قادیان جہاد کی تنسیخ اور سامراجی کی حاشیہ برداری میں مصروف رہا۔ ■■

★ حضرت مولانا اطہر علی صاحب مدظلہ
جامعہ امدادیہ کشور گنج مشرقی پاکستان

شامت اعمال ماصورت نادر گرفت

ایک دل جلے کی آہ سحری

(۱) ۱۔ حکومت مقصود بالذات نہیں ہے۔ ۲۔ عند اللہ حکومت سے غرض ہی اقامت دین ہے۔ ارشاد ہے: الذین ان مکنا ھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔

(۲) استخلاف کا وعدہ مؤمنین متقین کیلئے ہے۔ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض۔ اور غرض استخلاف ۱۔ تمکین دین ہی ہے۔ لیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم۔ اور دوسری غرض تبدیل خوف بالامن ہے۔ ولیبدلنھم من بعد خوفھم امناً۔

زندگی کے حقیقی لطف کا مدار دو ہی چیزوں پر ہے۔ عدم خوف وامن۔ اور اطمینان وعافیت۔ چنانچہ اگر کسی بادشاہ عظیم کو پھانسی کا حکم ہو جائے تو بڑی سے بڑی حکومت اور کل سامانِ تعیش وتنعم کے باوجود زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ ایسی ہزاروں مثالیں ہیں ——— اور حکومت کا زوال اور ہلاکت فسق وفجور ہی سے ہوتا ہے۔ واذا اردنا ان نھلک قریۃً الآیۃ۔ اور وکم من قریۃ بطرت معیشتھا الآیۃ۔ ان امتوں کے مصداق امم ماضیہ قوم ثمود عاد وسبا اور شداد ونمرود پر ایک نظر کرنی چاہیئے۔

عادۃ اللہ ہے کہ: ان اللہ لیملی الظالم فاذا اخذہٗ لم یفلتہٗ۔ ان بطش ربک لشدید ؏

حلم حق با تو مواساہا کند چوں تو از حد بگذری رسوا کند

ذالک الخزی العظیم

اللہ تعالیٰ نے پاکستان پر اپنے حتمی وعدہ سے زائد فضل فرمایا۔ جبکہ بانی پاکستان اور ارباب لیگ باوجود کامل مسلمان ومتقی نہ ہونیکے صرف اس وعدہ پر کہ قرآن وسنت کے قوانین جامعہ ہمارے پاکستان کا قانون ہوگا۔ اس وعدہ پر رحمت وفضل کا خزانہ کھول دیا۔ اور پاکستان بن گیا۔ کیونکہ نیت المؤمن خیر من عملہ۔ مگر چوبیس سالوں تک قرآن و حدیث کے قوانین جامعہ کو نافذ نہیں کیا گیا۔ اور مغربی مہلکہ مغضوبہ قوانین تہذیب وتمدن اور معاشرت کو پسند کرتے رہے۔ اور ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار کے بموجب اب وہ منظر ہے کہ اخذہٗ لم یفلتہٗ کا دبال بھگتنا پڑ رہا ہے۔ قریبی دوست جانی ومالی دشمن ہو گیا۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کی تعریف کرنے والا اسکی ہجو کرنے لگتا ہے۔

—★—

مولانا رحیم بخش دھواری سراوان۔ ایران

تبلیغی جماعت اور پاکستان کے اسلامی مدارس کے اثرات

ایران میں

پیش نظر مکتوب میں ایران کے صوبہ بلوچستان پر پاکستان کے اسلامی مدارس کے اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مولانا رحیم بخش صاحب ایرانی کا مضمون ان کے مکتوب بنام مدیر کے ساتھ ہم فارسی زبان ہی میں شائع کر رہے ہیں۔ بحمد اللہ کہ جشنِ ایران سے متعلق الحق کا اداریہ ایران کے دینی و علمی حلقوں کے لئے بھی دل کی آواز ثابت ہوا۔ (ادارہ)

★

بحضور محترم مکرم جناب حضرت مولانا سمیع الحق دام مجدکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعد از تحیہ سلام مسنون با استحضار عالیم رسانم کہ ماہنامہ الحق تقریباً مدت سہ سال است کہ برایم مسلسل می آید از مضامین با تحقیق و گرانقدر و روح پرور آن بہرور میشوم والحمد اللہ اکنون مجلہ در این جا (سراوان بلوچستان) بین علماء و طلباء مشتہر و متعارف شدہ است و بوقت وصول مجلہ بسیاری از شائقین از دستم گرفتہ زیر مطالعہ خود قرار میدھند و بنظرِ احترام مینگرند۔ این مقبولیت از سبب للھیت و اخلاص شماست۔

مستدعی ہستم از بارگاہ ایزدی کہ این مجلہ مشعل راہی برای جمیع مسلمین در تمام اقطار و اکناف عالم باشد و آنچہ کہ باعث تحریر این نامہ شد مطالعۂ نقش آغاز دربارۂ جشن ایران بابت ماہ شعبان سال ۱۳۹۱ھ جاری بود۔ خواندن آن بر قلب بندہ اثر گذاشت و گویا دلی ترجمانم بود

ع آنچہ کہ از دل خیزد بر دل ریزد

آفرین صد آفرین بر جرأت ایمانی و حقگوئی شما کہ از راہ دور بدون لحاظ لومۃ لائم صدای دلنشین حق را بلند کردید۔ یوفقکم اللہ لاعلاءِ کلمتہٖ۔ و میخواہم اوضاع دینی استان (صوبہ)

بلوچستان ایران و اثرات خدمات مدارس دینی پاکستان را در ایں سرزمین عقب افتادہ بطور اختصار شرح بدہم اگر چنانچہ صلاح ببینند و مفید بفہمند در گوشہ ای از صفحات الحق جامی بدھند۔ خیلی از لطف شما ممنون خواہم شد۔ باتقدیم احترامات فائقہ

رحیم بخش دصواری امام مسجد جامع محمدی سراوان

بلوچستان - ایران

۲۵ ر رمضان المبارک سنہ ۱۳۹۱ھ

*

اوضاع دینی استان (صوبہ) بلوچستان ایران و اثرات خدمات مدارس اسلامی پاکستان درین سرزمین عقب افتادہ

در ایران سرزمین وسیع استان بلوچستان تنہا استانی است کہ تمام باشندگان اصلی آن احناف میباشند این سرزمین از قرون متمادی و متوالی از علم و دانش بے بہرہ بودہ است تقریباً قبل از تاسیس پاکستان جہالت بدعات و رسومات جاہلیۃ تمام نقاط ایں سرزمین را فرا گرفتہ بود عالم ربانی در دور جائے دیدہ میشد، و نام طالب العلم و مدرسہ را کسے نمی شناخت تاسیس پاکستان فال نیکی برائے مردم بلوچستان ثابت شد۔

بعد از تاسیس کشور عظیم اسلامی پاکستان ہادی مطلق مصرف القلوب قلوب مردم این سرزمین را برائے طلب علم و احیاء دین متین اسلام مائل گردانید بسیاری نوجوان برائے اخذ تعلیم قرآن و سنت و احیاء دین رہسپار کشور ہمجوار و ہمذہب خویش پاکستان شدہ در مدارس مہم آں سرزمین مشغول تحصیل علوم نبوت شدند و تاکنون ایں سلسلہ دانشجوئی قائم و برقرار است و در ہر سال تحصیلی مدارس عربی پاکستان عدۂ مہمی از آن دانشکدہ ہائے اسلامی باصلاحیت و استعداد کامل فارغ التحصیل میشوند اکنون در ایں منطقہ عقب افتادہ کہ از مدت مدید نام نشان علم نبودہ است در ہر روستائی و قریہ ای اقلاً یک نفر عالم مستند موجود است کہ خدمات شائستہ دین متین اسلام را حسب قدرت خویش انجام میدہد حتی کہ در صحراہائے و بیابانہائے کہ باشندگان شان چادر نشین میباشند عالم یافتہ میشود کہ مشغول ترویج دین برائے مردم بادیہ نشین است و اگرچہ جماعتہائے تبلیغی پاکستان اکنون کہ جاہلیت جدید کاملاً شیوع پیدا نکردہ در ایں جا با کمال دلسوزی باتھضت علمی کنونی ہمکاری میکردند ایں سرزمین یک محیط با صفائی اسلامی میشد و متاسفانہ از

طرف غرب بلوچستان جاہلیت جدید علوم عصری با تمام زور قوت وشان شوکت خویش خود را خوب نمایاں کردہ است وآنچناں قلوب طبقہ نوجوانان را بخود کشیدہ ومسخر کردہ است می ترسم خدا نکردہ ایں سلسلہ مبارکہ منقطع یا ضعیف نگردد۔ خدائے چنیں روزی نیارد۔

از ارباب مدارس دینی پاکستان مؤدبانہ التماس دارم کہ بہ آں طلاب علومی کہ در آموزشگاھہائے ایشاں مشغول تحصیل علوم بنوت می باشند بہ تربیت وتعلیم آنہا توجہ خاصی مبذول فرمائید تاکہ استعدادہائے خفتہ آنہا بیدار گردد وآں شمع فروزانی کہ منبع اصلی آں دار العلوم دیوبند است وفعلاً شعاعہائے از نور درخشاں آں در بلوچستان میتابد از بلوچستان تجاوز کردہ بہ دیگر شہرہائے بزرگ ایران کہ در یک زمانی مرکز علم عرفان مرکز دین ایمان بودہ اند واکنوں آثار شوم بدعت وتمدن غربی چہرۂ زیبائے آنہا را تاریک گردانیدہ است بار ثانی منور گردند وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

پی۔ سی۔ ڈی مارکہ

—— پرزہ جات سائیکل ——

پاکستان میں سب سے اعلیٰ

—— اور ——

—— معیاری ——

بٹ سائیکل سٹور نیلا گنبد لاہور —— فون 65309

جناب نور محمد غفاری ایم - اے
رام پور ضلع بہاولنگر

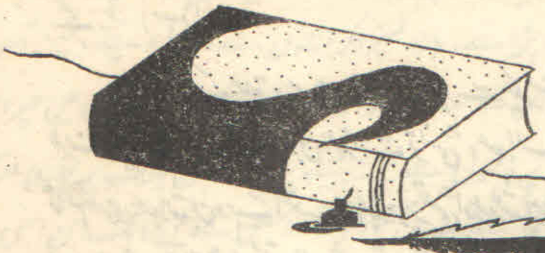

امام مالکؒ اور انکی موطا

حالات زندگی

نام ونسب | اسم گرامی مالکؒ اور کنیت ابو عبداللہؒ ہے۔ انس بن مالک اصبحی کے فرزند ارجمند تھے یمن کے شاہی خاندان حمیر کی شاخ اصبح سے تھے۔ آپ کے دادا مالکؒ اور چچا ابو سہیل نافعؒ مدینہ کے مشہور و معروف محدث تھے۔ (المصفیٰ)

ولادت باسعادت | آپ سن ۹۵ ہجری میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ (بعض مورخین نے سن ولادت ۹۳ تا ۹۷ ہجری لکھا۔) یہ سن پیدائش "فلسفۃ التشریع فی الاسلام" کے مصنف ڈاکٹر صبحی محمصانی نے لکھا ہے۔

تحصیل علم | ذرا ہوش سنبھالنے پر آپ نے آبا و اجداد کی علمی راہ اختیار کی۔ آپ بلا کے ذہین اور قوی الحافظہ تھے۔ جو بات ایک بار سن لیتے وہ ذہن سے اترتی نہ تھی۔ ایک دفعہ آپ کے استاد حضرت امام زہریؒ نے چالیس۴۰ سے زائد حدیثیں پڑھائیں۔ دوسری صبح آپ نے پوری چالیس۴۰ احادیث بغیر ایک لفظ کی کمی بیشی کے سنا دیں۔ آپ نے ربیعہ بن عبدالرحمان عرف ربیعہ رائی سے علم فقہ پڑھا اور بہت سے علماء حدیث مثلاً نافع، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے غلام، زہریؒ، ابو الزنادؒ اور یحییٰ ابن سعید انصاریؒ سے علم حدیث حاصل کیا۔ حضرت امام مالکؒ نے اپنے اساتذہ مذکورین کے سوا تابعینؒ اور تبع تابعینؒ سے بھی احادیث روایت کی ہیں۔ (فلسفۃ التشریع فی الاسلام ص۵۲ اردو ترجمہ)

تدریس | زرقانیؒ نے لکھا ہے کہ آپ علمی حلقوں میں ایک امتیازی شان کے ساتھ چمکے۔ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ جب تک ستر شیوخ نے اجازت نہیں دی مسند تدریس پر جلوہ آرا نہیں ہوئے، تاہم شباب کا آغاز ہی تھا کہ مدینہ میں تدریس کرنے لگے۔ اور موطا لکھ کر اس کو مدارِ درس بنایا۔ آپ کا شہرہ دور دور تک پھیلا۔ افریقہ اور اندلس تک کے پروانے اس شمع علم کے گرد اکٹھے ہونے لگے۔

سفیان بن عیینہؒ کا قول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی آپ ہی کے حق میں تھی کہ "عنقریب وہ زمانہ آئے گا کہ لوگ اونٹوں پر بیٹھ کر منزلیں کاٹیں گے اور عالم مدینہ سے بلند تر عالم کسی کو نہ پائیں گے۔" (مصفیٰ)

آپ کے حلقہ درس میں فقیر بے نوا سے لیکر شہنشاہ وقت تک شامل تھے۔ اگر ایک طرف یحیٰی لیثی اندلسیؒ، اسد بن الفرات تونسیؒ، عبدالسلام التنوخی عرف سحنون قیروانیؒ عبدالرحمان بن قاسمؒ مصری، عبداللہ بن وہبؒ اشہب بن عبدالعزیز قیسیؒ اور عبداللہ بن عبدالحکیم ایسے غریب الوطن تھے تو دوسری طرف ہادی، ہارون الرشید، امین الرشید اور مؤتمن ایسے شاہ وقت تھے جنہوں نے آپکے قدموں میں بیٹھ کر درس حدیث لیا۔ (تزئین الممالک)

آپ کو علم حدیث کی تعظیم و اجلال کا بہت خیال تھا۔ مسند درس کو زینت بخشنے سے قبل آپ غسل فرماتے، اجلا لباس پہنتے اور خوشبو لگاتے تھے۔ جب درس شروع کرتے تو مجلس پر وقار کی فضا طاری ہو جاتی تھی اور خوشبو سے دماغ معطر رہتا تھا۔

عقیق سے نگین بننے تک

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

معرکہ حق و باطل کوئی نئی بات نہیں۔ اس کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی خود حضرت انسان کی۔ اس تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حق کی پرخار وادی میں جس نے بھی قدم رکھا اس کا دامن کانٹوں میں الجھے بغیر نہ رہ سکا۔ اس لیلیٰ کے عشق کا دم جس نے بھی بھرا اس کو آبلہ پائی کی لذت سے آشنا ہونا پڑا۔

در راہ لیلیٰ کہ خطرہائے بسیار است
شرط قدم اول آنست کہ مجنوں باشی

لیکن اہل حق نے یہ واضح کر دیا کہ حق ایسی متاع گرانمایہ ہے جس کے مقابلہ میں تن، من اور دھن کی بازی تو لگائی جا سکتی ہے لیکن اس کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔

حضرت امامؒ بھی اس لذت سے آشنا ہوئے۔ عباسی خلیفہ منصور کا عہد تھا۔ آپ نے اس کے خلاف نفس ذکیہ کے حق میں فتویٰ دیا۔ آپ کی دلیل یہ تھی کہ منصور خلافت کا اہل نہیں۔ اس نے بزور شمشیر بیعت لی ہے اور جس طرح جبری طلاق نافذ نہیں ہوتی اسی طرح جبری بیعت بھی درست نہیں۔ منصور اور نفس ذکیہ میں لڑائی ہوئی۔ منصور نے میدان جیت لیا۔ اور نفس ذکیہ قتل کئے گئے

منصور کا چچازاد بھائی جعفر بن سلیمان والی مدینہ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ جبری طلاق کے خلاف فتویٰ نہ دیں۔ کیونکہ اسطرح منصور کی بیعت کا جواز جاتا رہے گا۔ آپ اپنی رائے پہ قائم رہے جعفر نے آپ کے ننگے بدن پر کوڑے پٹوائے، بازو کھنچوا کر شانوں سے اتروا دیئے، لیکن آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ اس کے بعد آپ کو اونٹ پہ بٹھا کر مدینہ کی گلیوں میں پھروایا، ایسے میں بھی جبکہ اونٹ کی ننگی پیٹھ پر زخموں سے چوُر بیٹھے تھے۔ زبان مبارک پہ جاری تھا:

"جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو نہیں جانتا وہ سن لے میں مالک بن انس ہوں اور فتویٰ دیتا ہوں کہ جبری طلاق باطل ہے۔"

جعفر کو معلوم ہوا تو اونٹ سے اتروا دیا یہ ۱۴۷ھ کا واقعہ ہے۔ بعد میں منصور کا آپ سے اچھا رویہ رہا۔ اور اس نے قضاءت کا عہدہ بھی پیش کیا، لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا۔ (الانتقاء، تزئین۔ زوادی)

ے ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں　　جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

امام مالکؒ اور عشق مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کو مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت تھی۔ آپ نے اپنی پوری زندگی وہیں گذاری، سوائے سفرِ حج کے اس مبارک شہر سے الگ نہیں ہوئے۔ یہ قاعدہ محبت اور قانونِ عشق ہے۔ کہ جس سے کسی کو محبت ہوتی ہے۔ اس کے گھر سے، در و دیوار سے، باغ سے، حتیٰ کہ اس کے گدھے سے، اس کے کتے سے محبت ہوتی ہے۔ ے

امر علی الدیار دیار لیلیٰ　　اقبل ذا الجدار و ذا الجدار

میں لیلیٰ کے شہر پہ گذرتا ہوں تو اس دیوار کو پیار کرتا ہوں۔ اور اس دیوار کو پیار کرتا ہوں۔

وَمَا حُبُّ الدِّیَارُ شَغَفْنَ قَلْبِی　　وَلٰکِنْ حُبُّ مَنْ سَکَنَ الدِّیَار

کچھ شہروں کی محبت نے میرے دل کو فریفتہ نہیں کیا بلکہ ان لوگوں کی محبت کی کارفرمائی ہے جو شہروں کے رہنے والے ہیں۔

حرمت مدینہ کا آپ کو اس قدر خیال تھا کہ آپ کے اصطبل میں کئی گھوڑوں کے ہونے کے باوجود آپ پیدل چلتے تھے۔ کسی کے استفسار پہ آپ نے فرمایا:

"مجھے حیا آتی ہے کہ مبارک شہر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی) کا جسدِ اطہر ہے میں اس میں سوار ہو کر چلوں۔" (زوادی)　　ے عشق بن یہ ادب نہیں آتا۔

وفات | آخری سالوں میں آپ بہت نحیف ہو گئے تھے، مگر بدنی نقاہت قلبی اور روحانی قوت کے ضعف کا سبب نہ بن سکی۔ گھلتے ہوئے بدن کو بھی علم حدیث کی خدمت سے فرصت نہ دی۔ آپ نے ۱۷۹ھ میں انتقال فرمایا: يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۝ وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝ (الفجر آیت ۲۷ تا ۳۰) اور جنت البقیع میں آخری آرام گاہ آباد فرمائی۔

؎ اس خاک کے ذرّوں پہ شرمندہ ہیں ستارے   جس خاک میں پنہاں ہے وہ صاحب ابرار

موطا | موطا کے لفظی معنی سنوارا ہوا، ہموار کردہ، تحقیق شدہ متفق علیہ کے ہیں۔ موطا اس رستے کو کہتے ہیں جس پر عام لوگوں کا گذر ہو لیکن اصطلاح میں حضرت امام مالکؒ نے احادیث کا مجموعہ موطا نام اپنے ہاتھ سے مرتب کیا اور اسے مدار درس بنایا۔ آپ اس سے حدیث اور فقہ دونوں کا درس دیتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"امام مالکؒ نے موطا میں ۱۰۰۰۰ حدیثیں جمع کی تھیں لیکن پھر تہذیب و تنقیح اور ترتیب کے بعد بقول ابوبکر الابہری اس ۱۷۲۰ روائیتیں رہ گئیں جن میں ۶۰۰ مسند، ۲۲۲ مرسل، ۶۱۷ موقوف اور ۲۷۵ مقطوع ہیں۔" (دیباچہ المسوّٰی)

خصوصیات | موطا کی چند نمایاں خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ موطا حدیث کے ساتھ فقہ کی کتاب بھی ہے۔ یہ فقہی ابواب میں منقسم ہے۔ اس میں صرف فقہی احادیث ہیں۔ یعنی جن کی غرض احکام سے ہے۔ اس میں تفسیر، مناقب اور زہد وغیرہ کے ابواب نہیں ہیں۔

۲۔ موطا میں کوئی موقوف صحابی یا اثر تابعی نہیں ہے، جس کا ماخذ کتاب و سنت نہ ہو۔

۳۔ شہرت کا جہاں تک تعلق ہے، ایک جم غفیر نے حضرۃ امامؒ سے روایت کیا ہے جس میں خلفاء ہارون الرشید، امین، مہدی، مؤتمن اور مجتہدین میں سے حضرت امام محمد بن حسنؒ، بلاواسطہ اور امام احمد بن حنبلؒ اور ابو یوسفؒ بالواسطہ اور محدثین کا تو حصر ہی نہیں اور صوفیاء میں ذوالنون مصریؒ وغیرہ اور اہل مصر، شام، عراق، یمن اور خراسان میں ایک کثیر تعداد ہے وغیرہم۔

موطا کی صحت سے متعلق چند آراء | موطا کو ام الصحیحین کہا جاتا ہے۔

۱۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں: "کتاب اللہ کے بعد آسمان کے نیچے موطا سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔" (تنویر الحوالک ص ۶)

۲۔ سفیان بن عیینہؒ کا قول ہے۔ "طلب حدیث میں لوگوں کو عالم مدینہ میں سے کوئی نہ ملے گا

ان کی وفات کے بعد مدینہ (از روئے علم حدیث) ویران ہو جائے گا"

۳۔ عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کا ارشاد ہے۔ "اس زمین پر حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت امام مالکؒ سے زیادہ کوئی امین نہیں۔ اور نہ ہی کوئی صحت حدیث میں ان سے سبقت لے گا"

۴۔ حضرت امام بخاریؒ نے فرمایا ہے۔ "میرے نزدیک امام مالکؒ عن نافع بن ابن عمر کی روایت سند اصح الاسانید ہے"

۵۔ یحییٰ بن معینؒ حضرت امام مالکؒ کو امیر المومنین فی الحدیث کہتے تھے۔

۶۔ حضرت شاہ ولی اللہ موطا کی شرح "المصفیٰ" کے دیباچے میں لکھتے ہیں: "موطا کو تمام موجودہ کتب احادیث پر فضیلت حاصل ہے۔ فضیلت مصنّف کے اعتبار سے، التزام صحت سے، شہرت و قبولیت احادیث کی وجہ سے ہے، حسن ترتیب کے مدنظر یہ کتاب بے نظیر ہے۔ ائمہ مذاہبؒ و تبع تابعینؒ میں سے کسی کی کوئی تصنیف موطا کے علاوہ آج موجود نہیں۔ موطا کے مقابلے میں کوئی دوسری کتاب نہیں کہ محدثین اس کی قدر و منزلت پر ویسے ہی متفق ہوں"

موطا صحاح ستہ میں کیوں شامل نہیں

ذہن میں یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ موطا جب صحت کے انتہائی درجے پر ہے تو پھر اسے صحاح ستہ میں شامل ہونے کا فخر کیوں نہیں۔؟ اس کی وجوہ یہ ہیں:

۱۔ موطا میں مرسل احادیث کی کثرت ہے۔

۲۔ فقہی اقوال اس میں اس کثرت سے ہیں کہ یہ حدیث سے زیادہ فقہ کی کتاب معلوم ہوتی ہے۔ (علوم الحدیث از ڈاکٹر صبحی صالح)

۳۔ موطا کو صحاح ستہ میں شاید اس لئے شامل نہیں کیا گیا کہ اس کی تمام مرفوع احادیث صحیح بخاری میں آچکی ہیں۔

بعض لوگوں نے موطا کو صحاح ستہ میں شامل کیا ہے، جیسے ابوالحسن زرینؒ نے "التجرید للصحاح والسنن" میں اور ابن اثیرؒ نے "جامع الاصول" میں موطا کو صحاح ستہ میں شامل کیا ہے۔

موطا کی شروح | موطا کی شہرت و مقبولیت اور صحت کی بنا پر محدثین حضراتؒ نے اسکی متعدد شرحیں لکھی ہیں۔ جن میں چند مشہور یہ ہیں: ۱۔ تنویر الحوالک۔ از علامہ جلال الدین

سیوطیؒ۔ ۲۔ کشف العطانی سشرح مختصر الموطا از ابن فرحونؒ۔

دو شرحیں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھی ہیں۔ ۱۔ المسوّیٰ (عربی زبان میں) ۲۔ المصفیٰ (فارسی میں)

موطا کے نسخے | موطا کے نسخے تیس ۳۰ سے زیادہ ہیں۔ شیخ ابن عبدالبرؒ نے اپنی کتاب میں ۱۲ نسخوں کی تفصیلات مہیا کی ہیں۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی نے اپنی کتاب "بستان المحدثین" میں پندرہ ۱۵ نسخوں کا ذکر کیا ہے۔ انہوں (شاہ صاحبؒ) نے مزید فرمایا کہ امام مالکؒ سے ان کے زمانے میں تقریباً ہزار لوگوں نے موطا سن کر جمع کیا۔ چنانچہ اس کے بہت نسخے موجود ہیں۔ آج کل بلاد عرب میں ان کثیر نسخوں میں سے چند ایک جو مشہور ہیں، پائے جاتے ہیں۔

۱۔ یحییٰ بن یحییٰ معموری اندلسی کا نسخہ — آج کل اس کا سب سے زیادہ ہے اور طائفہ علماء کا مخدوم نسخہ بھی یہی ہے۔ چنانچہ جب مطلق موطا کہا جاتا ہے تو ذہن فوراً اس کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ یحییٰ بن یحییٰ نے امام مالکؒ سے آخری تین ابواب کی سماعت نہیں کی اس لئے ان تینوں بابوں کو زیاد بن عبدالرحمٰنؒ اندلسی سے روایت کرتے ہیں۔ یحییٰ بن یحییٰ نے موطا کو امام مالک سے زیادہ اور ان کی شاگردی کا فخر حاصل کرنے سے قبل اپنے ہی شہر میں تمام موطا کی اسناد انہی (زیاد بن عبدالرحمٰنؒ) سے ہی سنیں۔ یحییٰ بن یحییٰ حضرت امامؒ کے خاص شاگرد تھے یہ بربر قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت امام انہیں عاقل کے نام سے پکارتے تھے۔ انہیں شاہانِ وقت کا قرب بھی حاصل تھا۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ حضرت امام مالکؒ کا مسلک اندلس میں پھیلانے میں　　یحییٰ بن یحییٰ کا خاص کردار ہے۔ کیونکہ یہ قضاۃ کے عہدے پر مامور تھے اور دیگر علاقوں میں قاضی ان کے مشورہ سے مقرر ہوتے تھے اور یہ صرف مالکی مسلک کے علماء کا تقرر کرواتے تھے۔ (الملل والنحل لابن حزم)

۲۔ دوسرا نسخہ وہ ہے جو عبدالرحمٰن بن عبدالبرؒ نے حضرت امام مالکؒ سے روایت کیا ہے۔

۳۔ موطا کا تیسرا نسخہ عبد بن مسلم قعنوی کا ہے۔

۴۔ ایک نسخہ محمد بن حسن الشیبانیؒ کا ہے۔

الغرض میں اپنی سعی ناتمام کو حضرت امام شافعیؒ کے قول پر ختم کرتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں:

"تابعین کے بعد امام مالکؒ بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی حجۃ (نشانی) ہیں۔ امام مالکؒ میرے استاد ہیں، جب کوئی حدیث تم کو مالکؒ کی روایت سے پہنچے تو اسے مضبوط پکڑو کیونکہ وہ علم حدیث کا ایک درخشندہ ستارہ ہیں۔"

(تنویر الحوالک)

قارئین کے خطوط

افکار و تاثرات

افکار و تاثرات کے تحت ہم سب سے پہلے سندھ کے مشہور گرامی مرتبت بزرگ صاحب ارشاد و طریقت شخصیت خانقاہ دین پور شریف کے قابل فخر مسند نشین حضرت المخدوم مولانا عبدالہادی صاحب دین پوری دامت برکاتہم کا ایک مکتوب گرامی پیش کرتے ہیں جس میں ملک کی حالت زار اور دینی سرد مہری بالخصوص جشن ایران کے موقع پر پریس کی دینی بے حسی پر اظہار افسوس کیا گیا ہے۔ یہ نامۂ گرامی الحق کیلئے سرمایۂ افتخار و سعادت ہے۔ اور ہم ایسے قدسی صفات بزرگوں کی توجہات محبت پر خداوند کریم کے شکر گذار ہیں۔ (ادارہ)

★

جشنِ ایران اور پریس کی دینی بے حسی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! دعا ترقی درجات، اسلام کے مقدس نام پر حاصل کی جانے والی دنیا کی اس "سب سے بڑی اسلامی مملکت" میں "اسلام" پر جو کچھ بیت رہی ہے۔ اور ہم نے "من حیث القوم" شعائر و ارکان اسلام سے روگردانی و اجتناب کا جو رویہ اختیار کیا ہے۔ نہ صرف یہ کہ توجہ طلب ہے بلکہ بہت حد تک اندوہناک اور مایوس کن بھی۔ نتائج کیا ہوں گے؟ اس کا بہتر علم خدائے علیم و بصیر ہی کو ہو سکتا ہے۔ معاشرہ میں راہ پا جانے والی اخلاقی بے راہ روی، تہذیب فرنگ کی تقلید، اسلام کے بنیادی عقائد تک سے کھلم کھلا انحراف اور تضحیک، اسلام کے نام پر الحاد اور بے دینی کی تبلیغ کے لئے نشر و اشاعت کے وسائل کی فراوانی اور سرپرستی اس کے برعکس "اہل حق" کی بے سر و سامانی ایسے امور ہیں کہ ان پر غور کرتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ مبارکباد کے مستحق ہیں وہ لوگ جو ان نامساعد حالات میں مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے "شرار بولہبی" کے مقابلے میں "چراغ مصطفوی" کی لو بلند کئے ہوئے ہیں۔

عزیز محترم! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ کسی قوم کی اخلاقی، سماجی، سیاسی، تمدنی، تہذیبی اور مذہبی حالت کا اندازہ روزمرہ کے واقعات اور حالات حاضرہ سے لگایا جاتا ہے۔ اخبارات اور رسائل ایک آئینہ کی حیثیت سے قومی زندگی کی مجموعی صورت حال کا عکس پیش کرتے ہیں۔ آپ اسے مایوسی قرار دیں

یا بدولی (ناامیدی نہیں کہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونے کا حکم ملا ہے) مجھ جیسے لوگ یہ عکس دیکھنے سے معذور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقیر ایک عرصہ سے اخبارات اور رسائل کے مطالعہ سے مجتنب ہے۔ ملنے ملانے والوں یا عزیزوں میں سے کوئی کسی قابلِ ذکر واقعہ کا تذکرہ کرتا ہے۔ تو سن لیتا ہوں۔ دل پر چوٹ پڑتی ہے تو ہاتھ خود بخود دعا کے لئے اٹھ جاتے ہیں کہ اب بس میں یہی کچھ رہ گیا ہے۔ پچھلے دنوں جشن شہنشاہیت ایران کے متعلق سنا۔ اللہ اکبر، ہم نے یہ دن بھی دیکھنے تھے، دکھ اس بات کا تھا کہ کوئی ٹوکنے والا نہیں۔ حیرت اس امر پر تھی کہ اُن حلقوں کی طرف سے بھی کوئی صدائے احتجاج بلند نہیں ہوئی جن کے نزدیک مصر کے مرحوم صدر جمال عبدالناصر اس لئے گشتنی وگردن زدنی قرار پائے تھے کہ وہ اپنی کسی تقریر میں نحن ابناء الفراعنہ کہہ بیٹھے تھے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ تنقید و تنقیص و شنام دہی اور بہتان طرازی کے ترکش میں کوئی تیر باقی نہیں رہا تھا (صدر ناصر مرحوم کی کیا حیثیت ہے ان حضرات کے قلم اور زبان سے امہات المومنین اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ کرام تک محفوظ نہیں رہے)۔ اور پھر فقیر نے سنا کہ جمعیت علماء اسلام کے محترم قائدین مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا عبدالحکیم اور مولانا مفتی محمود نے ملتان میں ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں مذکورہ جشن کے انعقاد کے بارے میں ارباب بست وکشاد کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی اور اب خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا جب میرے ایک عزیز نے مذکورہ موضوع پر الحق کا اداریہ سنایا۔ عزیزم! خدا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارے اکابر کے جانشینوں نے اعلائے کلمۃ الحق کے سلسلے میں اسلاف کی قائم کردہ روایات کو برقرار رکھا ہے۔ ؏ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

اللہ تعالیٰ آپ کو حق گوئی و بے باکی کی مزید جرأت عطا فرمائے اور اسلام کے بنیادی عقائد کے تحفظ کے سلسلے میں آپ کی کوششوں کو شرفِ قبولیت بخشے۔ فقیر کافی عرصہ سے بیمار رہتا ہے۔ معالج حضرات کے مشورہ پر گذشتہ دو سال کا موسم گرما مری کے قریب بھوربن کے مقام پر قیام رہا۔ آپ حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں فقیر کی طرف سے ہدیۂ اسلام پہنچائیں اور اُن سے یہ دعا کرنے کے لئے کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جسمانی عوارضات کی صورت میں فقیر کو جن انعامات وعنایات سے سرفراز فرمایا ہے ان سے مانوس ہو جانے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ باقی سب خیریت ہے۔ خدا کرے آپ بخیر و عافیت ہوں۔ والسلام

(حضرت مولانا عبدالہادی صاحب)
دینے پور

جشن ایران | الحق کا اداریہ متعلق جشن ایران و فرزند قادیاں نیز بابت مودودی صاحب و جشن ایران دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ دل سے دعا ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ حق گوئی و بیباکی کی توفیق مزید عطا فرمائے۔ اور عمر میں برکت عطا فرماکر اس کا ہر لمحہ نصرتِ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ میں مصروف رکھیں اور آپ اپنا بندہ مقبول بنائیں۔ والسلام۔ (مولانا محمد اسحاق صدیقی نیو ٹاؤن کراچی)

الحق کا اداریہ | صدر پاکستان کے مشیر مالیات ایم ایم احمد کے سلسلہ آپ کا اداریہ پڑھ کر جھومنے لگا۔ اور بے ساختہ دل سے دعائیں نکلیں۔ یہ مسئلہ آج تک ہماری سمجھ میں نہ آیا کہ ہماری حکومت منکرینِ ختمِ نبوت وجہاد کو آخر اتنا عزیز کیوں سمجھتی ہے۔؟ بہر حال آپ حضرات نے اپنا فرض ادا کیا اور خوب! مولائے قدوس بہتر اجر عطا فرمائے ــــ اے کاش حکومت اس حقیقت کو سمجھتی کہ ؎

خدا جانباز شاہد ہے کہ ہر فتنہ انہیں سے ہے غلام احمد نہ ہو فتنہ کا بانی ہو نہیں سکتا

فقط والسلام (مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی۔ حضرو)

ایک ضروری تصحیح | الحق بابت ماہ رمضان ۱۳۹۱ھ میں ایک کتاب "وفات سرور کائنات" پر تبصرہ لکھتے ہوئے قلم سے یہ فقرات ٹپک پڑے کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ وفات کے بارے میں مختلف روایات مروی ہیں جن میں سے ۹ ربیع الاول زیادہ قرینِ قیاس ہے اور اہل التحقیق کا ایک طبقہ یہی تاریخ وفات بتاتا ہے ــــ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ وفات کے بارے میں اختلاف نہیں بلکہ تاریخ ولادت کے بارے میں مختلف فیہ روایات ہیں اور ان میں سے ۹ ربیع الاول زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ مولانا سلمان منصور پوریؒ صاحب "رحمۃ اللعالمین" نے اس پر بحث کی ہے ــــ قلم کی اس سہو پر قارئین الحق سے معذرت خواہ ہوں۔
والسلام۔ (اختر راہی)

دیرینہ، پیچیدہ، جسمانی، روحانی امراض کے خاص معالج
جمال شفاء خانہ رجسٹرڈ
نوشہرہ صدر
دہلی روڈ لاہور کینٹ

تبصرہ نگار: اختر راہی۔ ایم اے

تعارف
تبصرۂ کتب

تبصرہ کے لئے
ہر کتاب کے
دو نسخے
بھیجنا ضروری ہیں

تبلیغی جماعت کا تاریخی جائزہ | مؤلف: محمد ایوب قادری۔ ناشر: مکتبہ معاویہ لیاقت آباد کراچی ۱۹۔
کتابت وطباعت عمدہ۔ خوبصورت سرورق۔ قیمت مجلد ۶/ روپے۔ بلا جلد ۴/ روپے۔

زیرِ تبصرہ کتاب میں فاضل مؤلف محمد ایوب قادری نے تبلیغی جماعت کی خدمات کا جائزہ پیش کیا ہے۔ تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاسؒ کے خلوص کا نتیجہ ہے کہ دعوت وتبلیغ کی یہ تحریک برِصغیر ہندوپاک سے نکل کر جاپان، عرب ممالک اور دیارِ مغرب میں امریکہ وانگلستان تک پھیل گئی ہے۔ اگرچہ تبلیغی جماعت کا نہ کوئی پروپیگنڈہ لٹریچر ہے اور نہ اشتہار بازی ہوتی ہے، مگر یہ اس دعوت کا اخلاص اور للّٰہیت ہے کہ اسلام کے دیوانے پروانہ وار اپنے کام میں مصروف ہیں۔

فاضل مؤلف نے برِصغیر میں مسلمانوں کی آمد اور اشاعتِ اسلام کی مختصر تاریخ پیش کی ہے۔ اور اس سلسلے میں اسلام قبول کرنے والے راجپوت خاندان کی سرگزشت پر روشنی ڈالی ہے۔ میوات جہاں تبلیغ ودعوت کی زیرِ تبصرہ تحریک کا آغاز ہوا۔ یہاں ابتدا ہی سے علماء وصوفیا اسلام کی تبلیغ کرتے رہے ہیں اور سیاسی طور پر غیاث الدین بلبن کے عہد سے مغلیہ خاندان کے خاتمے تک میوات کا مرکزی حکومت سے تعلق قائم رہا مگر اس کے باوجود میوات میں اسلام قبول کرنے والوں کی زندگیاں مکمل طور پہ اسلامی رنگ میں نہ رنگی جا سکیں۔ مولانا علی میاں مدظلہٗ نے میو قوم کے دینی تنزّل، اخلاقی انحطاط اور اسلام سے بے گانگی کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"میو برائے نام مسلمان ہیں۔ ان کے اور ہندوؤں کے بعض دیوی دیوتا اور تہوار مثلاً ہولی، دیوالی اور جنم اشٹمی مشترک ہیں۔ شادی میں پنڈت بھی آتا ہے۔ اماوس کو تعطیل ہوتی ہے۔ ہنومان کے نام کا چبوترہ بناتے ہیں۔ لباس بھی ہندوانہ ہے۔ مرد زیور پہنتے ہیں۔ اپنی عادات میں آدھے ہندو اور بڑے ڈھیلے ڈھالے لاپرواہ مسلمان ہیں۔ سالار مسعود غازی کی زیارت کے لئے بہرائچ جاتے ہیں، مگر حج کو

کبھی نہیں جاتے۔ لڑکیوں کو ترکہ کبھی نہیں ملتا۔ بچوں کے ملے جلے اسلامی اور ہندوانہ نام رکھتے ہیں۔ ضعیف الاعتقاد اور توہم پرست بھی ہیں۔ شگون بہت لیتے ہیں۔ غارت گری اور رہزنی ان کا پیشہ ہے۔ (مولانا الیاس کی بعوت صفحہ ۸۰)

انگریزی تعلیم کے اثرات سے برصغیر کے ہندوؤں میں تجدید و اصلاح کی تحریکیں شروع ہوئیں۔ چنانچہ برہمو سماج، دیو سماج، تھیوسوفیکل سوسائٹی وغیرہ وجود میں آئیں۔ جن تحریکوں میں اسلام اور عیسائیت کے اثرات نمایاں تھے۔ بعد ازاں دیانند سرسوتی نے "آریہ سماج" کی بنیاد رکھی جس نے قدیم ہندو معاشرت اور تمدن کے احیاء کو اپنا مقصود قرار دیا۔ جلد ہی آریہ سماج نے اسلام اور مسلمانوں کو اپنا دشمن نمبر ایک تصور کر لیا۔ اور ہندوستانی مسلمانوں کو دوبارہ ہندو بنانے یعنی شدھ کرنے کا پروگرام بنا لیا۔ ۱۹۲۲ء میں آریہ سماج کے سوامی شردھانند نے مغربی یو۔ پی کے اضلاع متھرا، بھرت پور، آگرہ وغیرہ میں ہندومت کی تبلیغ شروع کر دی اور میواتی مسلمانوں کو اسلام سے دور ہونے کی وجہ سے اپنی یلغار کا نشانہ بنایا۔ مگر چنداں کامیاب نہ ہو سکے۔ ان کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب مسلمانوں کی جوابی تبلیغ تھی۔

مولانا اسماعیل کاندھلوی نے آریہ سماجیوں کی ان سرگرمیوں کے پیش نظر تبلیغ اسلام کی تحریک کا آغاز کیا۔ انہیں ابتدا ہی سے میواتیوں میں تبلیغ اسلام کی تحریک کا آغاز کیا۔ انہیں ابتدا ہی سے میواتیوں میں اسلام کی تبلیغ کا احساس تھا۔ ان کا میواتیوں سے تعلق اس طرح قائم ہوا کہ:

"ایک مرتبہ وہ اس فکر میں تھے کہ کوئی مسلمان آتا جاتا مل جائے کہ اس کے ساتھ جماعت سے نماز ادا کر لی جائے۔ اتفاق سے چند مسلمان آتے ہوئے دکھائی دیئے ان سے دریافت کیا کہ کہاں جا رہے ہو۔؟ انہوں نے بتایا کہ مزدوری کرنے جا رہے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اگر اتنی مزدوری یہیں مل جائے تو جانے کی کیا ضرورت ہے۔ انہوں نے منظور کیا۔ مولوی صاحب ان کو مسجد میں لے آئے۔ نماز سکھانے، قرآن پڑھانے لگے اور ان کو یومیہ مزدوری دینے لگے۔ جب ان کو نماز کی عادت پڑ گئی تو مزدوری چھوٹ گئی"۔ صفحہ ۸۳

مولانا اسمٰعیل کاندھلوی نے دینی مدرسہ قائم کر کے میواتی مسلمانوں کی تربیت کا انتظام کر دیا۔ جس سے مولانا عبدالسبحان میواتی اور حاجی عبدالرحمٰن جیسے علماء پیدا ہوئے۔ مدرسہ مولانا اسمٰعیل کی وفات کے بعد ان کے فرزند مولانا محمدؒ کے زیر اہتمام چلتا رہا۔ مولانا محمدؒ صاحب کی وفات کے بعد مدرسہ

کا انتظام مولانا الیاسؒ کے سپرد ہوا جو مولانا محمدؒ صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔

مولانا محمد الیاسؒ نے دہلی کے مدرسہ کے علاوہ میوات میں تقریباً سو مکتب قائم کئے۔ اور اصلاح و تبلیغ کا آغاز ہوا۔ ۲؍ اگست ۱۹۳۴ء کو مولانا نے ایک سو سات میواتی مسلمانوں پر مشتمل ایک پنچائت قائم کی۔ جس نے اسلام کی تعلیمات کو پھیلانے اور اپنی زندگی میں برتنے کا وعدہ کیا اور درحقیقت یہی موجودہ تبلیغی جماعت کا آغاز ہے۔ ۲؍ جولائی ۱۹۴۴ء کو مولانا محمد الیاسؒ فوت ہوئے تو جماعت کی امارت ان کے فرزند سعید مولانا محمد یوسف کو سونپی گئی انہوں نے تحریک کو عام کرنے اور اسلام کی تبلیغ کے لئے بھرپور جہد و سعی کی جس کا ثمر ہر شخص دیکھ رہا ہے۔

انہی تحریکی مراحل کی مفصل روداد زیر تبصرہ کتاب ہے، ہندوستان میں اسلام کی سرگزشت کے سلسلے میں یہ کتاب ایک اہم کڑی کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاریخ اسلام سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ کتاب نہایت مفید ہے۔

آسان مدنی قاعدہ | مؤلف، قاری محمد سلیمان۔ ناشر: مدرسہ تعلیم القرآن موتی مسجد چھوٹی الیسٹ کیمبل پور۔ کتابت و طباعت: گوارا۔ قیمت: ۵۰ پیسے۔ زیر نظر قاعدہ فاضل مؤلف نے ناظرہ قرآن حکیم کی تدریس کے لئے ترتیب دیا ہے۔ اسباق کے ساتھ وضاحتی مشقیں موجود ہیں۔ اساتذہ کیلئے موزوں مشورے اور بہترین تجاویز فاضل مؤلف کے تجربے کی شاہد ہیں۔ تجوید قرآن کے بنیادی اصول سادہ اور دل نشین انداز میں سکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ قاری صاحب مرتب کردہ یہ قاعدہ مبتدیوں کی ضروریات بخوبی پوری کرتا ہے۔ (اختر راہی)

محکمۂ اوقاف پنجاب کے تبلیغی رسائل | محکمۂ اوقاف مغربی پاکستان حال پنجاب اصلاح معاشرہ اور دینی مسائل کی ترویج کے سلسلہ میں مفید تبلیغی و اصلاحی لٹریچر شائع کرتی رہتی ہے۔ اب تک ہمارے سامنے حسب ذیل رسائل آچکے ہیں۔ (الف) مؤمن کا قتل عمد۔ از ایم اے خان۔ (ب) اصلاح معاشرہ از عبد الغفار اثرؔ (ج) ارکان اسلام از مولانا محمد بخش مسلم۔ (د) عقائد اسلام از مولانا محمد بخش مسلم۔ (ہ) مسجد اور اسلامی سوسائٹی میں اسکا کردار۔ از غازی بن صبیح مجاہد۔ (و) حضرت میاں شیر محمد صاحبؒ مصنفہ طفیل محمد سالک۔ (ز) فیصلہ ہفت مسئلہ از حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ۔ بعض سنی مکاتب فکر کے درمیان نزاعی مسائل مولود شریف، فاتحہ مروجہ، عرس، سماع، غیر اللہ کو پکارنا، جماعت ثانیہ، امکان نظیر و امکان کذب کے بارے میں حضرت حاجی صاحب کا نہایت عادلانہ اور حکیمانہ فیصلہ۔ یہ مختصر رسالہ کوزہ میں دریا کا مصداق ہے۔ محکمۂ اوقاف ایسے وقیع کتابچہ اور دیگر اصلاحی مطبوعات پر تحسین کا مستحق ہے۔ (سمیع الحق)